ذوقِ ادب

(حصۂ اول)

برائے مضمون اختیاری اردو

بی۔اے۔ (سالِ اول)

مرتبہ

شعبہ اردو، عثمانیہ یونیورسٹی حیدرآباد

ناشر

اردو اکیڈمی آندھرا پردیش حیدرآباد۔۴

www.urduacademyts.com

ذوقِ ادب

(حصۂ اوّل)

برائے مضمون اختیاری اُردو

بی۔اے (سالِ اوّل)

مرتبہ

شعبۂ اُردو، عثمانیہ یونیورسٹی، حیدرآباد

ناشر

اُردو اکیڈیمی آندھرا پردیش، حیدرآباد۔۴

www.urduacademyts.com

(C) جملہ حقوق بحقِ اردو اکیڈیمی آندھرا پردیش محفوظ ہیں

زیرِ سرپرستی

محمد رحیم الدین انصاری

صدر اُردو اکیڈیمی آندھرا پردیش

پہلا ایڈیشن	:	اگست 2008ء
تعداد	:	1000 (ایک ہزار)
قیمت	:	-/30 روپے
طباعت	:	ایس۔اے۔ پرنٹرس، جدید ملک پیٹ، حیدرآباد
ناشر	:	اُردو اکیڈیمی آندھرا پردیش

حج ہاوز، چوتھی منزل، نامپلی، حیدرآباد-1

فون : 23237810

ملنے کے پتے

☆ دفتر اُردو اکیڈیمی آندھرا پردیش، حج ہاوز چوتھی منزل، نامپلی، حیدرآباد-1

☆ اردو اکیڈیمی سنٹرل لائبریری نزد قدیم پولیس کمشنر آفس، دیوان دیوڑھی، حیدرآباد-2

www.urduacademyts.com

فہرست

پیش لفظ

حصۂ شاعری

۱) مثنوی	میر حسن	داستان وارد ہونے بے نظیر کے بدر منیر کے باغ میں۔ اقتباس سحر البیان	6
۲) مرثیہ	میر انیس	فرزند پیمبرؐ کا مدینہ سے سفر ہے	17
۳) قصیدہ	مرزا سودا	ہو اجب کفر ثابت ہے وہ تمغائے مسلمانی	21
۴) شہر آشوب	نظیر اکبر آبادی	شہر آشوب	25

حصۂ نثر

۱) داستان	میر امن	قصہ حاتم طائی کی سخاوت کا (باغ و بہار سے اقتباس)	29
۲) تذکرہ	محمد حسین آزاد	سید انشا کا انجام	49
۳) سفرنامہ	مجتبیٰ حسین	بُلٹ ٹرین میں کبھی نہ بیٹھو (جاپان چلو جاپان چلو سے اقتباس)	56
۴) ڈراما	اظہر افسر	بکھرے پھول	64
۵) خطوط	مرزا غالب	منتخب خطوط (اُردوئے معلیٰ)	79
۶) مضمون	سرسید	والدۂ سرسید (انتخاب مضامین سرسید)	90

☆☆☆

www.urduacademyts.com

پیش لفظ

بی اے سال اول میں مضمون اختیاری کے طور پر اُردو کا انتخاب کرنے والے طالب علموں کے لئے شعبۂ اُردو کی نصابی کمیٹی کے ارکان نے جو نصاف تجویز کیا ہے اس میں شاعری اور نثر دونوں کو شامل کیا گیا ہے۔

شاعری میں قدیم شعری اصناف مثنوی، مرثیہ، قصیدہ اور شہر آشوب سے طالب علموں کو واقف کروانے کے لیے ان اصناف میں نمایاں مقام حاصل کرنے والے شعرا کی تخلیقات سے موزوں اقتباسات منتخب کیے گئے ہیں۔

نثر میں بھی داستان، تذکرہ، سفر نامہ، ڈراما، خطوط اور مضمون کے انتخاب کے ذریعہ طالب علموں کے ذوق کی آبیاری کی سعی کی گئی ہے۔ امید کہ یہ انتخاب اپنے مقصد کی تکمیل میں کامیابی حاصل کرے گا۔ اس اہم کام میں مفید مشوروں اور تعاون کے لیے میں نصابی کمیٹی کے ارکان اور شعبۂ اُردو جامعہ عثمانیہ کے اساتذہ کی ممنون و مشکور ہوں۔

اُردو اکیڈیمی آندھرا پردیش نے ''ذوقِ ادب'' (حصۂ اول) کی اشاعت کا اہتمام کیا ہے۔ میں اُردو اکیڈیمی آندھرا پردیش کے صدر جناب رحیم الدین انصاری صاحب و عہدہ دارانِ اکیڈیمی کا تہہ دل سے شکریہ ادا کرتی ہوں۔

پروفیسر فاطمہ بیگم

صدر شعبۂ اُردو جامعہ عثمانیہ

حیدرآباد

اگست 2008ء

www.urduacademyts.com

حصۂ شاعری

www.urduacademyts.com

میر حسن

میر غلام حسن نام اور حسنؔ تخلص ۱۷۲۸ء یا ۱۷۲۹ء کے درمیان دلی میں پیدا ہوئے۔ والد میر غلام حسین ضاحکؔ اپنے وقت کے مشہور شاعر تھے۔ مرزا محمد رفیع سوداؔ سے میر ضاحکؔ کے ادبی معرکے، تاریخ ادب اُردو میں محفوظ رہ گئے ہیں۔ ابتدائی تعلیم والد سے ہی حاصل کی۔ فارسی اور عربی پر عبور حاصل تھا۔ خاندان میں بزرگوں کے وقت سے شاعری سے دلچسپی اور طبع آزمائی کی روایت موجود تھی۔ میر حسن نے جب شاعری شروع کی تو اپنے والد میر ضاحک سے اصلاح لی۔ بعد میں خواجہ میر دردؔ کو کلام دکھانے لگے۔ مغلیہ سلطنت کی کمزوری، سیاسی ابتری اور انتشار نے اور لوگوں کی طرح اپنے والد میر غلام حسین ضاحکؔ کے ساتھ اودھ کے دارالسلطنت فیض آباد منتقل ہونے پر مجبور کر دیا۔ جب آصف الدولہ نے لکھنو آباد کیا تو میر حسن بھی لکھنو چلے آئے۔ زمانے کے سرد و گرم سے دوچار ہوتے ہوئے ۱۷۸۶ء میں لکھنو میں انتقال ہوا۔ میر حسن نے شاعری کی تقریباً تمام اصناف میں طبع آزمائی کی لیکن ان کی مثنوی ''سحر البیان'' نے انہیں شہرت دوام اور مقبولیتِ عام سے سرفراز کیا۔ اس مثنوی میں انہوں نے اپنے عہد کی معاشرت، رسم و رواج، لباس و زیورات، عقائد و توہمات، اندازِ تکلم اور طرز رہائش کی بڑی متحرک اور بولتی تصویریں محفوظ کر دی ہیں۔ مثنوی میں بے شمار کردار ہیں جو منفرد اور پُر اثر ہیں۔ پیکر تراشی کی غیر معمولی صلاحیت کا اندازہ ہوتا ہے۔ مکالماتی انداز نے مثنوی کو سحر آفریں بنا دیا ہے۔ ویسے بھی میر حسن کے پاس زبان و بیان کی لطافتوں اور جمالیاتی ذوق

www.urduacademyts.com

کی فراوانی، روزمرہ، محاورات اور تشبیہات کا ماہرانہ استعمال ملتا ہے جو انہیں اپنے عہد کی ٹکسالی زبان کا ماہر تسلیم کرنے پر مجبور کرتا ہے۔

میر حسن کا تذکرہ شعرائے اُردو، اُردو تذکرہ نگاری کی تاریخ میں اہمیت کا حامل ہے۔ اس میں انہوں نے انصاف پسندی اور میانہ روی سے کام لیا ہے۔ ان کے تذکرے پر کسی خاص ادبی گروپ کی چھاپ نہیں ملتی۔ واقعات اور تواریخ کی پیش کشی میں احتیاط سے کام لیا گیا ہے۔ شعراء کے کلام پر اپنی شخصی رائے کا اظہار کیا ہے جس سے ان کے تنقیدی شعور کا اندازہ ہوتا ہے۔ میر حسن کا دوسرا نثری کارنامہ ''یازدہ مجلس'' معروف بہ ''اخبار الائمہ'' ہے مختصراً میر حسن اپنی ادبی خدمات کے ساتھ تاریخ ادب کا اٹوٹ حصہ ہیں۔

☆☆☆

www.urduacademyts.com

داستان وارد ہونے بے نظیر کے بدرِ منیر کے باغ میں اور شاہ زادی کے عاشق ہونے میں:

کدھر ہے تو اے ساقیِ شوخ رنگ! — کہ آیا ہوں میں بیٹھے بیٹھے بہ تنگ
پلا مجھ کو دارد کوئی تیز و تند — کہ ہوتا چلا ہے مرا ذہن کُند
مرے تو سنِ طبع کے پر لگا — مجھے یاں سے لے چل فلک پر اڑا
سنو ایک دن کی تم داردات — اُٹھا سیر کو بے نظیر ایک رات
ہوا ناگہاں اس کا اک جا گزر — سہانا سا اک باغ آیا نظر
سفید ایک دیکھی عمارت بلند — کہ تھی نور میں چاندنی سے دو چند
وہ چھٹکی ہوئی چاندنی جا بہ جا — وہ جاڑے کی آمد، وہ ٹھنڈی ہوا
وہ نکھرا فلک اور مہ کا ظہور — لگا شام سے صبح تک وقتِ نور
یہ عالم جو بھایا تو کوٹھے پہ آ — اتر اپنے گھوڑے سے اور سر جھکا
لگا جھانکنے اُس مکاں کے تئیں — کہ دیکھوں تو، یاں کوئی ہے یا نہیں
جو دیکھے تو ایسا کچھ آیا نظر — کہ سب کچھ گیا اُس کے جی سے اُتر
کہا جی سے، اب تو جو کچھ ہو سو ہو — ذرا چل کے اس سیر کو دیکھ لو
یہ کہہ نیچے اُترا دبے پاؤں وہ — نظر سے بچائے ہوئے چھانو وہ
الگ کھول، ہاتھوں سے واں کا کواڑ — چلا سایہ سایہ درختوں کی آڑ
تھے اک طرف گنجان باہم درخت — کہ لپٹے ہوں جس طرح مشاق سخت
لگاواں سے چھپ چھپ کے کرنے نظر — درختوں سے جوں ماہ ہو جلوہ گر

www.urduacademyts.com

جو دیکھے تو صحبت عجب ہے وہاں
عجب چاندنی ہے عجب ہے سماں

عجب صورتیں اور طرفہ محل
چلا دیکھتے ہی دل اُس کا نکل

ملی جنس کی اپنی جو اس کو بو
لگا تکنے حیرت سے حیران ہو

نظر آئی واں چاندنی کی بہار
کہ آنکھوں نے کی خیرگی اختیار

در و بام اک لخت سارے سفید
ہر اک طاق، محراب، صبح اُمید

مغرّق زمیں پر تمامی کا فرش
جھلک جس کی لے فرش سے تا بہ عرش

زمیں کا طبق، آسماں کا طبق
سنہری، رو پہری ہو جیسے ورق

بلوریں دھرے ہر طرف سنگ فرش
کہ جس سے منور ہے رنگ فرش

گئی اُس کے عالم پہ جس دم نگاہ
اور آیا نظر اُس کو اک رشک ماہ

طرح اُس کی ہر دل کی مانوس تھی
کہ گویا وہ شیشے کی فانوس تھی

کہیں دیکھ اُس کے تئیں ہوشمند
پری کو کیا ہے گا شیشے میں بند

ہر اک سمت واں نور کا ازدھام
لگے آئنے قدِ آدم تمام

لپیٹے ہوئے بادلوں سے درخت
زمین و ہوا، صاحبِ تاج و تخت

ملبب وہ چوپڑ کی پاکیزہ نہر
پڑے چشمۂ ماہ میں جس سے لہر

لبِ نہر پہ صاف جو غور کی
تو پٹری تھی وہ ایک بلور کی

پڑے اُس میں فوارے چھٹتے ہوئے
ہوا بیچ موتی سے لٹتے ہوئے

مقّرض پڑا اُس پہ مقّیش جو
گرا ماہ واں رشک سے پرزے ہو

لیے گود مقّیش چھوٹے بڑے
سبھی مہ، ستارے اُڑادیں کھرے

غرض اپنی صنعت سے تاروں کو توڑ
زمیں کو فلک کا بناتے ہیں جوڑ

ہوا میں وہ جگنو سے چمکیں بہم
ملیں جلوہ مہ کو زیرِ قدم

فقط چاندنی میں کہاں طور یہ
کہ طرہ نہ جب تک ملے اور یہ

www.urduacademyts.com

زمانہ زر افشاں ہوا زر فشاں — زمیں سے لگا تا زماں زر فشاں
گل و غنچۂ نسرین و تاج خردس — زمینِ چمن سب جبینِ عروس
خراماں زری پوش ہر ماہ وش — کریں دیکھ کر مہر و مہ جن کو غش
کھڑا ایک نمگیرۂ زر نگاہ — کہ تھے جس کی جھالر پہ موتی نثار
جڑاوہ وہ استادے الماس کے — ڈھلے ایک سانچے کے اک راس کے
کھنچی ڈور ہر طرف زر تار کی — لڑی جوں کناری کے ہوں ہار کی
کہوں کیا میں جھالر کی اس کی پھبن — کہ سورج کے ہو گرد جیسے کرن
مغرّق بچھی مسند اک جگمگی — کہ تھی چاندنی جس کے قدموں لگی
نہ پھولے سماتے تھے تکیے دھرے — کہ تھے وے فقط حُسن ہی سے بھرے
بلوریں صراحی، وہ جام بلور — دل و دیدہ وقف تماشائے نور
زمیں نور کی، آسماں نور کا — جدھر دیکھو اودھر سماں نور کا
چمن سارے داؤدیوں سے بھرے — جوانانِ شبو کے ہر جا پرے
ستاروں کا مہتاب میں حال یوں — کہ چونے میں پانی کے قطرے ہوں جوں
اگر کیجیے سایے اوپر نگاہ — تو ہے وہ بھی جوں سایۂ مہر و ماہ
کرے ہے نگہ جس طرف کو گزر — بہ جز نور، آتا نہیں کچھ نظر
کروں کون سے حسن کو انتخاب — ہر اک آئنے میں وہی ماہتاب
نظر جس طرف جائے نزدیک دور — اُسی ایک مہ کا ہے ہر جا ظہور
نکل اپنی وحدت سے، کثرت میں آ — وہی نور ہے جلوہ گر جا بہ جا
نئے رنگ سے ہر طرف ماہتاب — وہی ایک نکتہ کہ جس کی کتاب
حقیقت کی لیکن بصارت بھی ہو — کہ دیکھے نہ اُس کے سوا غیر کو

☆☆☆

www.urduacademyts.com

داستان بدر منیر کی تعریف میں

گلابی مرے سامنے ساقیا!
مہِ چاردہ کو دِکھا کر ہلا!

کہ دیکھے سے ہو جس کے، دل کو سُرور
نظر کام کر جائے نزدیک و دور

کروں اُس مکاں کی مکیں کا بیاں
کہ ہے بعد خانم، نگیں کا بیاں

وہ مسند جو تھی موجِ دریائے حسن
وہاں دیکھی اک مسند آرائے حسن

برس پندرہ ایک کا سن وسال
نہایت حسیں اور صاحب جمال

دیے کہنی تکیے پہ اک ناز سے
سرِ نہر بیٹھی تھی انداز سے

خواصیں کھڑیں ایدھر اُودھر تمام
ستاروں کا جوں ماہ پر ازدھام

وہ بیٹھی تھی سج دھج بنائے ہوئے
دل اُس چاندنی پر لگائے ہوئے

اُدھر آسماں پر درخشندہ مہ
اِدھر یہ زمیں پر مہِ چاردہ

پڑا عکس دونوں کا جوں نہر میں
لگے لوٹنے چاند ہر لہر میں

نظر آئے اتنے جو اک بار چاند
زمانے کے منہ کو لگے چار چاند

عجب طرح کا حسن تھا جاں فزا
کہ مہ، رو بہ رو جس کے تھا ٹھیکرا

کہوں اس کی پوشاک کا کیا بیاں
فقط ایک پشوازِ آبِ رواں

زبس موتیوں کی تھی، سنجاف کل
کہے تو، وہ بیٹھی تھی موتی میں تل

ادراک اوڑھنی جوں ہوا یا حباب
جسے دیکھ، شبنم کو آوے حجاب

صباحت، صفا اُس میں جھلکی ہوئی
پڑی سر سے کاندھے پہ ڈھلکی ہوئی

گریباں میں تکمہ اک الماس کا
ستارہ سا مہتاب کے پاس کا

www.urduacademyts.com

وہ کرتی، وہ انگیا جواہر نگار
نیا باغ اور ابتدا کی بہار

وہ چھپ پایجامے کی دامن سے یوں
نظر آئے آئنے میں ماہ جوں

صفائی یہ پوشاک کی دیکھیو
نظر سوچ میں ہے کہ میلی نہ ہو

وہ ترکیب اور چاند سا وہ بدن
وہ بازو پہ ڈھلکے ہوئے نورتن

جڑاؤ دو بالے کہ ہالے کا رشک
وہ موتی کے مالے کہ عاشق کا اشک

وہ آنکھوں کی مستی وہ مژگاں کی نوک
کرن پھول کی اور بالے کی جھوک

وہ موتی کا دُلڑا وہ موتی کا ہار
سدا اشک غم دیدہ جس پر نثار

لگا دھکدھکی ، پچ پڑا، ست لڑا
سراسر گلے حسن اُس کے پڑا

تلے اُس کے موتی لگے گرد کل
کہ جوں شبنم آلودہ ہو برگِ گل

جہانگیریوں کا کروں کیا بیاں
کہ اُٹھتا تھا ہاتھوں سے اُس کے فغاں

جواہر سے مینے کی ہیکل جڑی
کمر اور کولھے کے نیچے پڑی

فقط موتیوں کی پڑی پائے زیب
کہ جس کے قدم سے گہر پائے زیب

کسی کے کہاں ہاتھ وہ پانو آئے؟
جواہر جہاں پاؤں پڑ پڑ کے جائے

سراپا اگر ہو زباں، میرا تن
سراپا میں اُس کے کروں کیا سخن

سب اعضا بدن کے موافق ، درست
ہر اک کام میں اپنے چالاک و چست

جہاں راستی چاہیے، راستی
کجی جس جگہ چاہیے واں کجی

وہ مکھڑا جسے دیکھ مہ داغ کھائے
وہ نقشہ کہ تصویر کو حیرت آئے

جو کچھ چاہیے ٹھیک نکھ سک سے انگ
نزاکت بھرا سیوتی کا سا رنگ

کچھ اک تمکنت اور کچھ اک بانکپن
غرض ہر طرح میں انوٹھی پھبن

کرشمہ، ادا غمزہ ہر آن میں
غرض، دل بری اُس کے فرمان میں

www.urduacademyts.com

تغافل، حیا، ناز، شوخی، غرور
ہر اک اپنے موقع سے وقتِ ضرور

تبسم، تکلم، ترحم، ستم
موافق ہر اک حوصلے کے کرم

وہ ابرو کے ایوان محرابِ حسن
جھکی شاخ نخلِ گلستانِ حسن

نگہ : آفت و چشم: عین بلا
مژہ، دے صفوں کو اُلٹ برملا

دُرِ گوش جب اُس کا تابندہ ہو
صدف کا دلِ صاف شرمندہ ہو

وہ بینی کہ جس کی نہیں کچھ نظیر
ہے انگشتِ قدرت کی سیدھی لکیر

وہ رخسار نازک کہ ہوجائے لال
اگر اس پہ بوسے کا گزرے خیال

نہیں رطب ویابس کا یاں کچھ حساب
بیاضِ گلو سب کی سب انتخاب

وہ ساعد وہ بازو بھرے گول گول
برابر ہو الماس کے جن کا مول

وہ دستِ حنا بستہ، خوبی کے باب
شفق میں ہوں جوں پنجۂ آفتاب

زبس مثلِ آئنہ تھا اس کا تن
کہے تو کہ تھی ناف، عکسِ ذقن

کمر کو کہوں کیونکہ میں اُس کی ہیچ
نہ آوے نظر تو ہے قسمت کا پیچ

وہ زانو کہ آجائے گر اس پہ ہاتھ
تو پھر عمر بھر ہاتھ زانو کے ساتھ

وہ ساقِ بلوریں ، وہ اندازِ پا
پھرے ہر سحر چشم و دل میں سدا

قد و قامت آفت کا ٹکڑا تمام
قیامت کرے جس کو جھک کر سلام

وہ اٹھکھیلیاں اور اس کی وہ چال
کہ دل جس سے عالم کا ہو پائے مال

بنا کبک کیسی ہی گو چال لائے
کہاں پردہ رفتار کو اُس کی پائے

الگ چال اُس کی کوئی کیا چلے؟
یہ انداز سب اُس کے پاؤں تلے

عجب پشت پا، صاف انگشت پا
کفِ پا دکھادے، سر پشتِ پا

مغرّق جواہر سے اک جفت کفش
نہ وہ مفت پا، بلکہ پا مفت کفش

www.urduacademyts.com

یہ قدرت کا دیکھا جو اُس نے خیال
کہا شاہزادے نے یا ذوالجلال!

درختوں سے وہ دیکھتا تھا نہاں
کسی کی نظر جا پڑی ناگہاں

جو دیکھے تو ہے اک جوانِ حسیں
درختوں کی ہے اوٹ، ماہِ مبیں

یہ چرچا جو پھیلا تو ظاہر ہوا
ہر اک حال سے اُس کے ماہر ہوا

یہ سن ایک سے ایک، واں سب کی سب
بھریں برگِ گل کی طرح، غنچہ لب

جو دیکھیں تو شعلہ سا روشن ہے کچھ
درختوں کا روشن سا آنگن ہے کچھ

کسی نے کہا: کچھ نہ کچھ ہے بلا
کسی نے کہا: چاند ہے یاں چھپا

کسی نے کہا : ہے پری یا کہ جن
کسی نے کہا : ہے قیامت کا دن

لگی کہنے ماتھا کوئی اپنا کوٹ
ستارا پڑا ہے فلک پر سے ٹوٹ

ہوئی صبح، شب کا گیا اُٹھ حجاب
درختوں میں نکلا ہے یہ آفتاب

کسی نے کہا : دیکھیو اے بوا!
کھڑا ہے کوئی صاف یہ مردوا

کسی نے کہا : یہ تو دل دار ہے
کسی نے کہا : کچھ یہ، اسرار ہے

یہ آپس میں باتیں جو ہونے لگیں
اشاروں سے گھاتیں جو ہونے لگیں

گئی بات یہ شاہ زادی کے گوش
یہ سنتے ہی جاتا رہا اس کا ہوش

کہا میں تو دیکھوں، یہ کہہ کر اُٹھی
گیا سننا جی، تو رہ کر اُٹھی

خواصوں کے کاندھے پہ دھر اپنا ہاتھ
عجب اک ادا سے چلی ساتھ ساتھ

کچھ اک خوف سے ہول کھاتی ہوئی
دھڑک اپنے دل کی دکھاتی ہوئی

کئی ہمدمیں تھیں جو کچھ کچھ پڑھیں
دعائیں وہ پڑھ پڑھ کر آگے بڑھیں

گئیں جب وے کر کے دل اپنا کرخت
وہاں جس جگہ تھے وے باہم درخت

لگیں جھانکنے سب کی سب وے شریر
یکا یک نظر واں پڑا بے نظیر

www.urduacademyts.com

جو دیکھیں، تو ہے اک جوان حسیں
کھڑا ہے وہ آئنہ سامہ جبیں

برس پندرہ یا کہ سولہ کا سن
مرادوں کی راتیں، جوانی کے دن

سر کنے کی واں سے نہ جا گہ نہ ٹھانو
دیے حیرتِ عشق نے گاڑ پانو

ہوئی پشت لب سے مسوں کی نمود
بنا آتشِ لعلِ شیریں کا دود

گلے میں پڑا نیمہ شبنم کا ایک
بدن سے عیاں نور عالم کا ایک

تمامی کی سنجاف جلوہ کناں
کہ جوں عکسِ مہ زیرِ آبِ رواں

طرح دار اک سر پہ پھنٹیا سجا
تمامی کا پٹکا کمر سے بندھا

عجب پیچ سے پیچ بیٹھے تھے مل
کہ ہر پیچ پر پیچ کھاتا تھا دل

جواہر کا تکمہ گلے میں لگا
ستارہ ہو جوں صبح کا جگمگا

وہ موتی کی لٹکن، زمرد کی ہر
لٹک جس کی زینبدہ دستار پر

وہ گورا بدن صاف ترکیب دار
بھرے ڈنڈ پر نورتن کی بہار

اک الماس کی ہاتھ انگشتری
سراسر حنا دست و پا پر لگی

عیاں چستی و چابکی گات سے
نمودِ جوانی ہر اک بات سے

بدن آئنہ ساں دمکتا ہوا
گلِ باغِ خوبی لہکتا ہوا

اکڑ زلف کی، اور کاکل کابل
جوانی کی شب کا سماں برمحل

قیافے سے ظاہر سراپا شعور
جبیں پر برستا شجاعت کا نور

دلے عشق کی تیغ کھائے ہوئے
کھڑا دل کسی پر لگائے ہوئے

یہ دیکھا جو عالم تو غش کر گیں
وہ جتنی کہ آئی تھیں سب مر گئیں

شتابی سے جاکر کہا واں کا حال
کہ اے شاہ زادی صاحب جمال

عجب سیر ہے سیرِ مہتاب میں
یہ عالم تو دیکھا نہیں خواب میں

www.urduacademyts.com

کہے سے ہمارے نہ مانوگی تم
جو دیکھو گی آنکھوں ، تو جانوگی تم .

اُٹھا پائے گلگوں کو جلدی نگار!
نہ جادے کہیں ہاتھ سے یہ بہار

نہیں، اور کچھ تم نہ کیجو ہراس
چلی آؤ ٹک ان درختوں کے پاس

گئی اس جگہ جب یہ بدرِ منیر
اور اس نے جو دیکھا شہِ بے نظیر

گئے دیکھتے ہی سب آپس میں مل
نظر سے نظر، جی سے جی، دل سے دل

غرض بے نظیر اور بدر منیر
گرے دونوں آپس میں ہوکر اسیر

رہی کچھ نہ تن من کی سدھ بدھ اسے
نہ کچھ اپنے تن کی رہی سدھ اسے

تھی ہمراہ ایک اس کی دخت وزیر
نہایت حسین اور قیامت شریر

زبس تھی ستارہ سی وہ دل ربا
اسے لوگ کہتے تھے نجم النسا

شتابی سے لا اس پہ چھڑکا گلاب
تب آئی تنوں میں ذرا ان کے تاب

وہ اٹھتے، تو اٹھی پہ حیران سی
گل شبنم آلودہ، گریان سی

وہ شہزادۂ دل شُدہ تو ٹھٹھک
دونہیں رہ گیا نقش پاسا بھچک

کہ وہ نازنیں کچھ جھجھک ، منہ چھپا
کمر اور چوٹی کا عالم دکھا

چلی اسکے آگے سے منہ موڑ کر
وہیں نیم بسمل اسے چھوڑکر

وہ گدی، وہ شانے، وہ پشتِ کمر
وہ چوٹی کا کولھے پہ آنا نظر

☆☆☆

www.urduacademyts.com

میر انیس

میر ببر علی نام انیس تخلص والد میر مستحسن خلیق ۱۸۰۲ء بمقام فیض آباد پیدا ہوئے۔ جد امجد میر امامی ہروی رحمتہ اللہ علیہ تھے۔ جو ہرات سے آکر پرانی دلی میں آباد ہوئے تھے۔ میر خلیق کے والد میر حسن دہلوی اور میر حسن کے والد میر ضاحک تھے۔ میر انیس نے لکھنو میں تربیت پائی۔ مولوی حیدر علی صاحب سے عربی اور فارسی میں دستگاہ حاصل کرنے کے بعد شاعری میں والد سے اصلاح لی۔ ابتدا میں غزل گوئی کا شوق تھا۔ والد کی نصیحت سے اثر پذیر ہو کر غزل گوئی کو سلام کیا اور اس صنفِ سخن پر توجہ دی جو دین و دنیا میں کام آئے۔ میر انیس سے پہلے مرثیہ نگاری کا فن ابتدائی مراحل سے گذر چکا تھا۔ انیس نے اس زمین پر قدم رکھا تو اسے آسمان تک پہنچا دیا اور اس صنف سے عمر بھر کی وابستگی کا نتیجہ یہ نکلا کر مرثیہ اور انیس مترادف الفاظ بن گئے۔

انیس کو زبان پر بے پناہ قدرت حاصل ہے۔ ان کے پاس الفاظ کا بہترین استعمال ملتا ہے۔ زبان کی لطافت محاورات کی دلاویزی اور مضمون کی دل کشی ان کے کلام کی نمایاں خصوصیات ہیں۔ سلاست، فصاحت اور روانی ان کے پاس قدم قدم پر نمایاں ہیں۔ متانت و سنجیدگی ان کے کلام کی جان ہے۔

میر انیس کے مراثی کافی طویل ہیں۔ اکثر و بیشتر مراثی سینکڑوں بندوں پر مشتمل ہیں لیکن انہوں نے دلچسپی شروع سے آخر تک برقرار رکھی ہے۔ چہرہ، سراپا، رخصت، آمد، رجز، جنگ، شہادت اور بین ارکان مرثیہ کی پابندی سے موضوعات میں تبدیلی آتی گئی ہے۔ اس کی وجہ سے قاری اکتاہٹ محسوس نہیں کر پاتا۔ زبان کا فن کارانہ استعمال دلچسپی میں مزید اضافہ کا موجب ہے۔ میر انیس نے رزم و بزم کے بیان اور منظر نگاری میں اپنے بے مثال فن کا مظاہرہ کرتے ہوئے اُردو شاعری کو مالا مال کر دیا۔ اخلاقی اقدار کے بہترین مرقعے ان کے مرثیوں میں ملتے ہیں۔ انسانی جذبات کی بہترین عکاسی کے لیے انیس قابل مبارک باد ہیں۔ ۱۸۷۴ء میں بمقام لکھنوان کا انتقال ہوا۔

☆☆☆

www.urduacademyts.com

مرثیہ

فرزند پیمبر کا مدینے سے سفر ہے — سادات کی بستی کے اُجڑنے کی خبر ہے
درپیش ہے وہ غم کہ جہاں زیر و زبر ہے — گل چاک گریباں ہیں، صبا خاک بہ سر ہے
گل رو، صفتِ غنچہ کمر بستہ کھڑے ہیں
سب ایک جگہ صورتِ گل دستہ کھڑے ہیں

آراستہ ہیں بہرِ سفر مردِ قبا پوش — عمامے سروں پر ہیں، عبائیں بہ سردوش
یارانِ وطن ہوتے ہیں آپس میں ہم آغوش — حیراں کوئی تصویر کی صورت، کوئی خاموش
منہ ملتا ہے رو کر کوئی سرور کے قدم پر
گر پڑتا ہے کوئی علی اکبر کے قدم پر

عباس کا منہ دیکھ کے کہتا ہے کوئی آہ! — اب آنکھوں سے چھپ جائے گی تصویرِ یداللہ
کہتے ہیں گلے مل کے یہ قاسم کے ہوا خواہ — واللہ دلوں پر ہے عجب صدمۂ جاں کاہ
ہم لوگوں سے شیریں سخنی کون کرے گا
یہ اُنس، یہ خلقِ حسنی کون کرے گا

روتے ہیں وہ جو عون محمد کے ہیں ہم سن — کہتے ہیں کہ مکتب میں نہ جی بہلے گا تم بن
اس داغ سے چین آئے ہمیں یہ نہیں ممکن — گرمی کا مہینا ہے، سفر کے یہ نہیں دن
تم حضرتِ شبیر کے سایے میں پلے ہو
کیوں دھوپ کی تکلیف اٹھانے کو چلے ہو

ہم جولیوں سے کہتے تھے وہ دونوں برادر — ہاں بھائیو، تم بھی ہمیں یاد آؤ گے اکثر
پالا ہے ہمیں شاہ نے، ہم جائیں نہ کیوں کر — ماموں رہیں جنگل میں، تو اپنا ہے وہی گھر
وہ دن ہو کہ ہم حق غلامی سے ادا ہوں
تم بھی یہ دعا مانگو کہ ہم شہ پہ فدا ہوں

www.urduacademyts.com

رخصت کے لیے لوگ چلے آتے ہیں باہم — ہر قلب حزیں ہے، تو ہر اک چشم ہے پُرنم
ایسا نہیں گھر کوئی کہ جس میں نہیں ماتم — غل ہے کہ چلا دل برِ مخدومۂ عالم

خدام کھڑے پیٹتے ہیں قبرِ نبی کے
روضے پہ اُداسی ہے رسولِ عربی کے

تدبیرِ سفر میں ہیں اِدھر سبطِ پیمبر — گھر میں کبھی آتے ہیں کبھی جاتے ہیں باہر
اسباب نکلواتے ہیں عباسِ دلاور — تقسیم سواری کے تردد میں ہیں اکبر

شہ کو جنہیں لے جانا ہے، وہ پاتے ہیں گھوڑے
خالی ہوا اصطبل، چلے آتے ہیں گھوڑے

حاضر درِ دولت پہ ہیں سب یاور و انصار — کوئی تو کمر باندھتا ہے اور کوئی ہتھیار
ہودج بھی کسے جاتے ہیں محمل بھی ہیں تیار — چلاتے ہیں درباں، کوئی آئے نہ، خبر دار!

ہر محمل و ہودج پہ گھٹا ٹوپ پڑے ہیں
پردے کی قناتیں لیے فراش کھڑے ہیں

عوراتِ محلّہ چلی آتی ہیں بہ صد غم — کہتی ہیں، یہ دن، رحلتِ زہرا سے نہیں کم
پُرسے کی طرح، رونے کا غل ہوتا ہے ہر دم — فرش اٹھتا ہے کیا، بچھتی ہے گویا صفِ ماتم

غل ہوتا ہے ہر سمت، جدا ہوتی ہے زینب
ہر اک کے گلے ملتی ہے اور روتی ہے زینب

لے لے کے بلائیں یہی سب کرتی ہیں تقریر — اس گرمی کے موسم میں کہاں جاتے ہیں شبیر!
سمجھاتی نہیں بھائی کو، اے شاہ کی ہمشیر! — مسلم کا خط آلے، تو کریں کوچ کی تدبیر

للّٰلّٰہ، ابھی قبر پیمبر کو نہ چھوڑیں
گھر فاطمہ زہراؑ کا ہے، اس گھر کو نہ چھوڑیں

www.urduacademyts.com

وہ گھر ہے، فلک رہتے تھے جس گھر کے نگہباں
کیوں اپنے بزرگوں کا مکاں کرتے ہیں ویراں
کوفے کی بھی خلقت تو نہیں صاحبِ ایماں
بی بی! یہ مدینے کی تباہی کا ہے ساماں
ایک ایک شقی، دشمنِ اولادِ علیؑ ہے
شمشیر ستم واں سر حیدر پہ چلی ہے

اُجڑے گا مدینہ، جو یہ گھر ہوئے گا خالی
بربادیٔ یثرب کی بنا چرخ نے ڈالی
کیا جانے پھر آئیں یا نہ آئیں شہِ عالی
حضرت کے سوا کون ہے اس شہر کا والی
زہراؑ ہیں، نہ حیدرؑ، نہ پیمبر، نہ حسنؑ ہیں
اب اُن کی جگہ آپ ہی یا شاہ زمن ہیں

گرمی کے یہ دن اور یہ پہاڑوں کا سفر آہ
ان چھوٹے سے بچوں کا نگہبان ہے اللہ
رستے کی مشقت سے کہاں ہیں ابھی آگاہ
ان کو تو نہ لے جائیں سفر میں شہ ذی جاہ
قطرہ بھی دمِ تشنہ دہانی نہیں ملتا
کوسوں تلک اُس راہ میں پانی نہیں ملتا

منہ دیکھ کے اصغر کا، چلا آتا ہے رونا
آرام سے مادر کی کہاں گود میں سونا
جھولا یہ کہاں اور کہاں نرم بچھونا
لکھا تھا اسی سن میں مسافر انہیں ہونا
کیا ہوگا جو میداں میں ہوا گرم چلے گی
یہ پھول سے کمھلائیں گے، ماں ہاتھ ملے گی

اُن بیبیوں سے کہتی تھی یہ شاہ کی ہمشیر
بہنو! ہمیں یثرب سے لیے جاتی ہے تقدیر
اس شہر میں رہنا نہیں ملتا کسی تدبیر
یہ خط پہ خط آئے ہیں کہ مجبور ہیں شبیر
مجھ کو بھی ہے رنج ایسا کہ کچھ کہہ نہیں سکتی
بھائی سے جُدا ہو کے مگر رہ نہیں سکتی

☆☆☆

www.urduacademyts.com

مرزا سوداؔ

مرزا محمد رفیع نام سوداؔ تخلص قیاس کیا جاتا ہے کہ ۱۷۰۷ء اور ۱۷۱۲ء کے درمیان دہلی میں پیدا ہوئے۔ والد مرزا محمد شفیع تجارت کے سلسلے میں ہندوستان آئے اور یہیں رہ گئے۔ تجارت نے ان کو دولت مند و فارغ البال کر دیا تھا۔ اتنا زیادہ اعزاز حاصل ہوا کہ نعمت خانِ عالی کی لڑکی سے ان کی شادی ہوئی۔ سودا انھیں کے بطن سے پیدا ہوئے۔ دہلی میں تعلیم و تربیت پائی۔ والد کے انتقال کے بعد جو کچھ ترکہ ملا دوستوں کی صحبتوں میں ختم کر دیا۔ زندگی گذارانے کے لیے فوج میں سپاہی ہو گئے مگر جلد ہی اس ملازمت سے دست بردار ہو گئے۔ خاندانی اعزاز اور اپنی قابلیت کی وجہ سے بادشاہوں اور امرا کا تقرب حاصل ہو گیا۔

سوداؔ نے اپنا کلام پہلے سلیمان قلی خاں داؤد کو دکھایا۔ پھر شاہ حاتمؔ کے شاگرد ہوئے۔ خان آرزوؔ سے اصلاح کا بھی ذکر ملتا ہے۔ پہلے فارسی میں شعر کہنا شروع کیا لیکن جلد ہی اُردو کی طرف متوجہ ہو گئے اور اس درجہ کمال حاصل کیا کہ بڑے بڑے استادوں نے تعریف کی۔ شاہ عالم بادشاہ اپنا کلام اصلاح کے لیے دینے لگے۔ مرزا محمد رفیع سوداؔ خوش اخلاق، مہذب، شگفتہ مزاج، زندہ دل اور آدابِ مجلس کے پابند انسان تھے۔ ولی کی تباہی، سیاسی افراتفری اور بدامنی سے پریشان ہو کر وہ فرخ آباد چلے گئے۔ مہربان خاں رندؔ کی معاشی حالت خراب ہو جانے پر فرخ آباد سے فیض آباد منتقل ہوئے۔ آصف الدولہ نے فیض آباد کی سکونت ترک کی اور لکھنو میں رہائش اختیار کی تو ان کے ساتھ سوداؔ بھی لکھنو پہنچے۔ نواب آصف الدولہ نے دو سو روپے تنخواہ مقرر کر دی۔ ۱۷۸۰ء میں لکھنو میں انتقال ہوا۔

سوداؔ نے تقریباً تمام اصناف سخن میں طبع آزمائی کی اور اپنی قابلیت اور جودت طبع سے اپنا مخصوص رنگ تشکیل دیا۔ لیکن شہرت اور مقبولیت بطور قصیدہ نگار حاصل کی۔ ان کی بے مثل قصیدہ

www.urduacademyts.com

نگاری کی وجہ سے ان کی غزل گوئی کی طرف زیادہ توجہ نہیں کی گئی۔ انہوں نے اپنی قصیدہ نگاری کی بنیاد فارسی کے بلند پایہ قصیدہ نگاروں کی روایات پر رکھی تھی اور انہیں کے معیاروں کو پیش نظر رکھا اور اپنی قصیدہ نگاری کے بے مثال نمونے پیش کیے۔ قصیدہ میں حمد، نعت، منقبتی، قصیدے ان کے فطری میلان، مدحیہ، قصیدے ان کی عصری حسیت اور ہجویات وغیرہ ان کی شوخی وظرافت کی عکاسی کرتے ہیں۔ موزوں، برجستہ، خوب صورت، استعارات اور تشبیہات سے شاعری کے صوری حسن میں اضافہ اور صناعی کے ہنر سے بخوبی واقف تھے۔ دلکش بندشیں، علوے تخیل، پرشکوہ لب ولہجہ اور شگفتہ اندازِ بیاں سوداؔ کے قصائد کو انفرادیت عطا کرتا ہے۔

☆☆☆

www.urduacademyts.com

قصائد

قصیدہ در نعت حضرت رسالتؐ

ہوا جب کفر ثابت ہے وہ تمغائے مسلمانی
نہ ٹوٹی شیخ سے زنار تسبیحِ سلیمانی

فراہم زرکا کرنا باعث اندوہِ دل ہووے
نہیں کچھ جمع سے غنچے کو حاصل جز پریشانی

خوشامد کب کریں عالی طبیعت اہلِ دولت کی
نہ جھاڑے آستینِ کہکشاں شاہوں کی پیشانی

عروجِ دستِ ہمت کو نہیں کچھ قدر مردوں کی
سدا خورشید کی جگ پر مساوی ہے زرافشانی

کرے ہے کلفتِ ایام ضائع قدر مردوں کی
ہوئی جب تیغ زنگ آلود کم جاتی ہے پہچانی

اکیلا ہو کے رہ دنیا میں گر جینا بہت چاہے
ہوئی ہے فیضِ تنہائی سے عمرِ خضر طولانی

موقر جان اربابِ ہنر کو بے لباسی میں
کہ ہو جو تیغ با جوہر اُسے عزت ہے عریانی

زمانے میں نہیں کھلتا ہے کاربستہ حیراں ہوں
گرہ غنچوں کی کھولے ہے صبا کیونکر بآسانی

سمجھ اے ناقباحت فہم کب تک یہ بیاں ہوگا
ادائے چین پیشانی ولطفِ زلف طولانی

خدا کے واسطے باز آ تو اب ملنے سے خوباں کے
نہیں ہے ان سے ہرگز فائدہ غیر از پشیمانی

زہے دین محمد پیروی میں اس کی جو ہوویں
رہے خاکِ قدم سے ان کی چشمِ عرش نورانی

ملک سجدہ نہ کرتے آدم خاکی کو گر اس کی
امانت دار نورِ احمدیؐ ہوتی نہ پیشانی

اسی کو آدم و حوا کی خلقت سے کیا پیدا
مراد الفاظ سے معنی ہے تا آیاتِ قرآنی

خیالِ خلق کو اس کا شفیع کافراں ہووے
رکھیں بخشش کے سرمنت یہودی اور نصرانی

رکھا جب سے قدم منہ پہ آ ان نے شریعت کی
کرے ہے موجِ بحرِ معدلت تب سے یہ طغیانی

یہ کیا انصاف ہے یارب کہ طیر و وحش تک جگ میں
اس امن و عیش سے اپنی بسر اوقات لے جانی

ہزار افسوس اے دل ہم نہ تھے اُس وقت دنیا میں
وگر نہ کرتی یہ آنکھیں جمال اس کے سے نورانی

نہ ہونے سے جدا سائے کے اس قامت سے پیدا ہے
قیامت ہوئے گا دل چسپ وہ محبوب سبحانی

www.urduacademyts.com

جسے یہ صورت و سیرت کرامت حق نے کی ہووے
بجا ہے کہیے ایسے کو اگر اب یوسفِ ثانی

معاذ اللہ یہ کیسا لفظ بے موقع ہوا سرزد
جو اس کو پھر کہوں تو ہوؤں مردودِ مسلمانی

کدھر اب فہم ناقص لے گیا مجکو نہ یہ سمجھا
کہ وہ مہرالوہیت ہے یہ ہے ماہِ کنعانی

جو صورت اس کی ہے لاریب ہے وہ صورت ایزد
جو معنی اس میں ہیں بیشک وہی معنی ربانی

حدیث من رآنی دال ہی اس گفتگو اوپر
کہ دیکھا جن نے اس کو ان نے دیکھی شکل یزدانی

غرض مشکل ہمیں ہوتی کہ پیدا کر کے ایسے کو
خدا گر یہ نہ فرماتا نہیں کوئی میرا ثانی

بس آگے مت چل اے سوداؔ میں دیکھا فہم کو تیرے
کر استغفار اب اس منہ سے ویسے کی ثنا خوانی

☆☆☆

www.urduacademyts.com

نظیر اکبر آبادی

سید ولی محمد نام نظیر تخلص سید محمد فاروق کے صاحبزادے تھے۔ دلی میں پیدا ہوئے۔ تاریخ پیدائش کے بارے میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ مختلف بیانات کی روشنی میں قیاس کیا جاتا ہے کہ ۱۷۳۵ء سے ۱۷۴۰ء کے درمیانی سال میں پیدا ہوئے۔ کم سنی میں ہی والد کا انتقال ہوگیا۔ دلی کی سیاسی ابتری کی وجہ سے ترکِ وطن پر مجبور ہوئے۔ والدہ اور نانی کے ہمراہ اپنی ننھیال اکبر آباد روانہ ہوئے۔ باقی تمام تر زندگی یہیں بسر کردی۔ تدریس کے پیشے سے وابستہ رہے۔ فطری صلاحیت اور اس دور کے رواج کے مطابق شاعری سے دلچسپی لی۔ کلیات کے ساتھ نثر میں بھی اپنی علمی یادگاریں چھوڑیں ہیں جن میں انشائے نظیر قدرِ متین، بزمِ عیش، رعنائے زیبا اور حسن بازار اہمیت کی حامل ہیں۔ ۱۸۳۰ء میں آگرہ میں انتقال ہوا۔

نظیر طبعاً تفریح پسند انسان تھے۔ تہواروں، یاتراوں، عرسوں، میلوں اور محفلوں میں شرکت کرتے تھے۔ شطرنج، پتنگ بازی، پچیسی، کبوتر بازی اور پیراکی سے دلچسپی رکھتے تھے۔

نظیر ہمیشہ عوام سے قریب رہے۔ عوام کے دکھ درد، ان کی مسرتوں، فطری خواہشات، مشاغل اور مسائل کو قریب سے دیکھا۔ ان کے تجربات وسیع اور مشاہدہ تیز تھا۔ ان کے کلام میں ان کے عہد کی تہذیبی اور مادی زندگی اپنی تمام کیفیات اور مسائل کے ساتھ جلوہ گر نظر آتی ہے۔ ان کا کلام ان کے عہد کی جیتی جاگتی تصویر ہے۔ وہ اپنے دور کی عوامی زندگی کے سچے ترجمان اور مصور نظر آتے ہیں۔ ادب زندگی کا عکاس ہوتا ہے۔ مغلیہ سلطنت کی کمزوری سے سیاسی ابتری اور معاشرتی انتشار جگہ پا گیا تھا۔ اس کی عکاسی مختلف شعراء کے پاس ''شہر آشوب'' کی شکل میں ملتی ہے۔ نظیر کے شہر آشوب سے آگرہ کی اس دور کی حالت کا بخوبی اندازہ ہوتا ہے۔

☆☆☆

www.urduacademyts.com

شہر آشوب

ہے اب تو کچھ سخن کا مرے اختیار بند　　رہتی ہے طبع سوچ میں لیل و نہار بند
دریا سخن کی فکر کا ہے موجدار بند　　ہو کس طرح نہ منھ میں زباں بار بار بند
جب آگرے کی خلق کا ہو روزگار بند

بے روزگاری نے یہ دکھائی ہے مفلسی　　کوٹھے کی چھت نہیں ہے یہ چھائی ہے مفلسی
دیوار و در کے بیچ سمائی ہے مفلسی　　ہر گھر میں اس طرح سے بھر آئی ہے مفلسی
پانی کا ٹوٹ جاوے ہے جوں ایک بار بند

دنیا میں اب قدیم سے ہے در کا بندوبست　　اور بے زری میں گھر کا نہ باہر کا بندوبست
آقا کا انتظام نہ نوکر کا بندوبست　　مفلس جو مفلسی میں کرے گھر کا بندوبست
مکڑی کے تار کا ہے وہ نا استوار بند

کپڑا نہ گٹھری بیچ نہ تھیلی میں زر رہا　　خطرہ نہ چور کا نہ اُچکے کا ڈر رہا
رہنے کو بن کواڑ کا پھوٹا کھنڈر رہا　　کھنکھار جاگنے کا نہ مطلق اثر رہا
آنے سے بھی جو ہوگئے چور و چکار بند

مارے ہیں ہاتھ ہاتھ یہ سب یاں کے دستکار　　اور جتنے پیشہ وار ہیں روتے ہیں زار زار
کوٹے ہے تن لہار تو پیٹے ہے سر سنار　　کچھ ایک دو کے کام کا رونا نہیں ہے یار
چھتیس پیشے والوں کا ہے کاروبار بند

کیا چھوٹے کام والے وکیا پیشہ ور نجیب　　روزی کے آج ہاتھ سے عاجز ہیں سب غریب
ہوتی ہے بیٹھے بیٹھے جب آ شام عنقریب　　اُٹھتے ہیں سب دکان سے کہہ کر کہ یا نصیب!
قسمت ہماری ہوگئی بے اختیار بند

www.urduacademyts.com

قسمت سے چار پیسے جنھیں ہاتھ آتے ہیں — البتہ روکھی سوکھی وہ روٹی پکاتے ہیں
جو خالی آتے ہیں وہ قرض لیتے جاتے ہیں — یوں بھی نہ پایا کچھ تو فقط غم ہی کھاتے ہیں
سوئے ہیں کر کواڑ کواک آہ مار بند

جتنے ہیں آج آگرے میں کارخانہ جات — سب پر پڑی ہیں آن کے روزی کی مشکلات
کس کس کے دکھ کو روئیے اور کس کی کہیے بات — روزی کے اب درخت کا ہلتا نہیں ہے پات
ایسی ہوا کچھ آکے ہوئی ایک بار بند

ہے میری حق سے اب یہ دعا شام اور سحر — ہو آگرے کی خلق پہ پھر مہر کی نظر
سب کھاویں پیویں یاد رکھیں اپنے اپنے گھر — اس ٹوٹے شہر پر بھی الٰہی تو فضل کر
کھل جاویں ایک بار تو سب کاروبار بند

عاشق کہو اسیر کہو آگرے کا ہے — ملا کہو دبیر کہو آگرے کا ہے
مفلس کہو فقیر کہو آگرے کا ہے — شاعر کہو، نظیر کہو آگرے کا ہے
اس واسطے یہ اُس نے لکھے پانچ چار بند

☆☆☆

www.urduacademyts.com

www.urduacademyts.com

میر امن

میر امن کے آبا و اجداد ہمایوں بادشاہ کے وقت سے سلطنت مغلیہ سے وابستہ تھے۔ شاہی دربار سے ان کو جاگیر بھی عطا ہوئی۔ احمد شاہ درّانی کے حملہ کے وقت میر امن کا بھی گھر لوٹا گیا اور سورج مل جاٹ نے ان کی خاندانی جاگیر بھی ضبط کر لی۔ اس وقت ان کو مجبوراً وطن چھوڑنا پڑا۔ کئی برس عظیم آباد میں قیام کیا پھر وہاں سے کلکتہ پہونچے۔ وہاں دو سال تک نواب دلاور جنگ کے بھائی میر محمد کاظم خاں کے اتالیق رہے۔ اسی زمانے میں میر بہادر علی حسینی نے ان کا تعارف ڈاکٹر جان گل کراسٹ سے کرادیا۔ موصوف نے نہایت خوشی سے میر امن کو فورٹ ولیم کالج میں جگہ دی۔ ۱۸۰۱ء میں قصہ چہار درویش کو سلیس نثر میں لکھنے کے لئے مامور کیا۔

اس عہد کے سب سے ممتاز اہل قلم میر امن دہلوی ہیں اور ان کا مشہور کارنامہ ''باغ و بہار'' ہے جس کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ میر امن کو زبان پر پوری قدرت حاصل ہے۔ روانی اور سلاست کے علاوہ محاوروں کا استعمال اور زبان کا لوچ نہایت خوبی کے ساتھ نباہتے ہیں۔ میر عطا حسین تحسینؔ نے 'چہار درویش' کا فارسی سے پہلے اُردو نثر میں ترجمہ کیا تھا لیکن فارسی و عربی کے غیر مانوس الفاظ نے اُردو میں مقبول عام نہ ہونے دیا۔

میر امن نے نئے سرے سے اس کتاب کو فورٹ ولیم کالج میں لکھنا شروع کیا اور اس خوبی کے ساتھ لکھا کہ ترجمہ نے عوام اور خواص دونوں سے قبول عام کی سند حاصل کی۔ لوگوں کے جذبات حفظ مراتب کے ساتھ اس طریقہ پر ادا کئے کہ عورت اور مرد، نوکر اور آقا جس کا ذکر آیا ہے، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ آپ کے سامنے دو بدو گفتگو کر رہے ہیں۔ جہاں کہیں فارسی یا سنسکرت کے

www.urduacademyts.com

الفاظ آ گئے ہیں وہ بجائے نا گوار معلوم ہونے کے دلکش معلوم ہوتے ہیں۔ یہ ضرور ہے کہ میر امن نے کہیں کہیں ایسے الفاظ بھی استعمال کئے ہیں جو لغت کے لحاظ سے نامناسب ہیں لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ الفاظ عوام کی زبان پر رائج تھے، لہٰذا انہوں نے اُردو کو ہر دلعزیز بنانے کے لئے اس بات کو روا رکھا۔

اس کتاب کی خوبی کے لئے یہ دلیل کیا کم ہے کہ سو برس سے زیادہ ہو گئے مگر اس کی مقبولیت میں کوئی فرق نہیں آیا۔ اگر میر امن کو اس کارنامہ پر فخر تھا تو بے جا نہ تھا۔ یہ کتاب ان کے لئے حیات جاوید سے کم نہیں۔ میر امن کی دوسری کتاب ''گنج خوبی'' ہے۔ یہ انوار سہیلی کا ترجمہ ہے اس کتاب کو باغ و بہار کی سی شہرت حاصل نہیں ہوئی۔

☆☆☆

www.urduacademyts.com

قصہ حاتم طائی کی سخاوت کا

حاتم طائی کے وقت میں ایک بادشاہ عرب کا نوفل نام تھا اس کو حاتم طائی کے ساتھ بسبب نام آوری کے دشمنی کامل ہوئی بہت لشکر جمع کر کے لڑائی کی خاطر چڑھ آیا۔ حاتم تو خدا ترس اور نیک مرد تھا یہ سمجھا کہ اگر میں بھی جنگ کی تیاری کروں تو خدا کے بندے مارے جائیں گے اور بڑی خونریزی ہوگی۔ اس کا عذاب میرے نام لکھا جائے گا۔ یہ بات سوچ کر تنِ تنہا اپنی جان لے کر ایک پہاڑی کی کھوہ میں جا چھپا جب حاتم کے غائب ہونے کی خبر نوفل کو معلوم ہوئی سب اسباب اور گھر بار حاتم کا قرق کیا اور مناوی کی کہ جو کوئی حاتم کو ڈھونڈھ ڈھانڈ کر پکڑ لائے پانچ سو اشرفی بادشاہ کی سرکار سے انعام پائے۔ یہ سن کر سب کو لالچ آیا اور جستجو حاتم طائی کی کرنے لگے۔ ایک روز ایک بوڑھا اور اس کی بڑھیا اور تین بچے چھوٹے چھوٹے ساتھ لئے ہوئے لکڑیاں توڑنے کے واسطے اس غار کے پاس جہاں حاتم پوشیدہ تھا پہونچے اور لکڑیاں اس جنگل سے چننے لگے۔ بڑھیا بولی کہ اگر ہمارے کچھ دن بھلے آتے تو حاتم کو ہم کہیں دیکھ پاتے اور اسے پکڑ کر نوفل کے پاس لے جاتے تو وہ پانچ سو اشرفیاں دیتا۔ ہم آرام سے کھاتے اس دکھ دہندے سے چھوٹ جاتے۔ بوڑھے نے کہا کیا بڑبڑ کرتی ہے۔ ہمارے نصیب میں یہی لکھا ہے کہ روز لکڑیاں کاٹیں اور سر پر دھر کر بازار میں بیچیں، تب روٹی میسر آئے یا ایک روز جنگل میں شیر آجائے کہ اپنا کام کرے۔ ہمارے ہاتھ حاتم کا ہے کو آئے گا جو بادشاہ سے انعام پائیں

www.urduacademyts.com

گے۔عورت نے ٹھنڈی سانس بھری اور چپکی ہورہی۔ یہ دونوں کی باتیں حاتم نے سنیں۔مردمی اور مروت سے بعید جانا کہ اپنے تئیں چھپائے اور جان کو بچائے اوران بیچاروں کو مطلب تک نہیں پہونچائے۔سچ ہے جس آدمی میں رحم نہیں تو وہ انسان نہیں ۔

دردِ دل کے واسطے پیدا کیا انسان کو
ورنہ طاعت کے لئے کچھ کم نہ تھے کروبیاں

غرض حاتم کی جواں مردی نے یہ قبول نہ کیا کہ اپنے کانوں سے سن کر چپکا ہورہے چنانچہ وہ وہیں باہر نکل آیا اوراس بوڑھے سے کہا اے عزیز حاتم میں ہی ہوں۔میرے تئیں نوفل کے پاس لے چل وہ مجھے دیکھے اور جو کچھ روپے دینے کا اقرار کیا ہے وہ تجھے دیگا۔پیرِ مرد نے کہا سچ ہے۔اس صورت میں بھلائی اور بہبودی میری البتہ ہے لیکن وہ کیا جانے تجھ سے کیا سلوک کرے۔اگر مار ڈالے تو میں کیا کروں گا۔یہ مجھ سے ہرگز نہ ہوسکے گا کہ تجھ سے انسان کو اپنی جمع خاطر کے لئے دشمن کے حوالے کروں۔وہ روپے کب تک کھاؤں گا اور کب تک جیوں گا۔آخر مرجاؤں گا۔تب خدا کو کیا جواب دونگا۔حاتم نے بہتیری منت کی کہ مجھے لے چل میں اپنی خوشی سے کہتا ہوں اور ہمیشہ اسی آرزو میں رہتا ہوں کہ میرا جان و مال کسی کے کام آوے تو بہتر ہے۔لیکن وہ بوڑھا کسی طرح راضی نہ ہوا کہ حاتم کو لے جائے اورانعام پائے۔آخر ناچار ہوا تو اس نے کہا اگر تو مجھے یوں نہیں لے جائے گا تو میں آپ سے بادشاہ کے پاس جا کر کہتا ہوں کہ اس بوڑھے نے مجھے جنگل میں ایک پہاڑ کی کھوہ میں چھپا رکھا تھا۔بوڑھا ہنسا اور کہا بھلائی کے بدلے برا ملے تو یا نصیب اس ردوبدل میں آدمی اور بھی آگئے اور بھیڑ لگ گئی۔انہوں نے معلوم کیا کہ حاتم یہی ہے تو فوراً پکڑ لیا اور حاتم کو لے چلے وہ بوڑھا بھی افسوس کرتا ہوا پیچھے پیچھے ساتھ ہولیا جب نوفل کے روبرو لے گئے اس نے پوچھا کہ اس کو کون پکڑ لایا۔ایک بدذات سنگدل بولا کہ ایسا کام سوائے ہمارے کون کرسکتا ہے۔یہ فتح

www.urduacademyts.com

ہمارے نام ہے۔ ہم نے ہی یہ جھنڈا گاڑا ہے۔ ایک اور لن ترانی والا ڈینگ مارنے لگا کہ میں کئی دن سے دوڑ دھوپ کر کے جنگل سے پکڑ لایا ہوں۔ میری محنت پر نظر کیجئے اسی طرح اشرفیوں کے لالچ سے ہر کوئی کہتا ہے کہ یہ کام مجھ سے ہوا وہ بوڑھا چپکا ایک کونے میں کھڑا ہوا سب کی شیخیاں سن رہا تھا اور حاتم کی خاطر کھڑا روتا تھا جب اپنی اپنی دلاوری اور مردانگی سب کہہ چکے تب حاتم نے بادشاہ سے کہا اگر سچ بات پوچھو تو یہ ہے کہ وہ بوڑھا جو الگ سب سے کھڑا ہے وہ مجھ کو لایا ہے۔ اگر قیافہ پہچاننا جانتے ہو تو دریافت کرو اور میرے پکڑنے کی خاطر جو قول کیا ہے پورا کرو کہ سارے ڈیل میں زبان ہوتی ہے۔ مرد کو چاہئے جو کہے سو کرے یوں تو زبان حیوان کو بھی دی ہے۔ تو پھر انسان اور حیوان میں کیا فرق ہے۔ نوفل نے اس بوڑھے لکڑہارے کو اپنے پاس بلا کر پوچھا کہ سچ کہو اصل کیا ہے۔ حاتم کو کون پکڑ لایا ہے۔ اس بیچارے نے سر سے پاؤں تک جو گذرا تھا سب کہہ سنایا اور کہا حاتم میری خاطر آپ چلا آیا ہے۔ نوفل یہ ہمت حاتم کی سن کر متعجب ہوا کہ اس نے اپنی سخاوت کے پیچھے اپنی جان کا بھی خطرہ نہ کیا جتنے آدمی جھوٹ دعوے حاتم کے پکڑ لانے کے کرتے تھے حکم کیا کہ ان کی منڈیاں کس کر پانچ سو اشرفی کے بدلے پانچ سو جوتیاں ان پر لگاؤ کہ ان کا بھیجا نکل پڑے وہیں تڑتڑ پیزاریں پڑنے لگیں۔ ایک دم سر ان کے گنجے ہو گئے اور جھوٹ کی سزا بھگتی۔ غرض ان سب سے موافق ان کو انعام دے کر نوفل نے اپنے دل میں خیال کیا کہ حاتم ایسا شخص ہے جس سے ایک عالم کو فیض ہے۔ اور محتاجوں کی خاطر اپنی جان تک دریغ نہیں کرتا اور خدا کی راہ میں سرتاپا حاضر ہے۔ دشمنی رکھنی اور اس کا مدعی ہونا مرد آدمیت اور جواں مردی سے بعید ہے۔ وہیں حاتم کا ہاتھ بڑی دوستی اور گرمجوشی سے پکڑ لیا اور کہا کیوں نہ ہو جب ایسے ہو تو اضع اور تعظیم کر کے پاس بٹھایا اور حاتم کا ملک واملاک اور مال وزر واسباب جو کچھ ضبط کیا تھا۔ وہیں چھوڑ دیا نئے سرے سے سرداریٔ قبیلہ طے کی اسے دی اور اس بوڑھے کو پانچ سو اشرفیاں اپنے خزانہ سے دلوا دیا۔

www.urduacademyts.com

وہ دعائیں دیتا ہوا چلا گیا۔ جب یہ ماجرا حاتم کا میں نے سنا جی میں غیرت آئی اور خیال کیا کہ حاتم اپنی قوم کا فقط رئیس ہے جس نے ایک سخاوت کے باعث یہ نام پیدا کیا کہ آج تک مشہور ہے۔ میں خدا کے حکم سے بادشاہ تمام ایران کا ہوں اگر اس سے محروم رہوں تو بڑا افسوس ہے۔ فی الواقع دنیا میں کوئی کام بڑا داد و دہش سے کم نہیں اس واسطے آدمی جو کہہ دیتا ہے۔ اس کا عیوض عاقبت میں لیتا ہے۔ اگر کوئی ایک دانہ بوتا ہے تو اس سے کتنا کچھ پیدا ہوتا ہے۔ یہ بات دل میں ٹھہرا کر میرِ عمارت کو بلا کر حکم کیا کہ ایک مکان عالیشان جس کے چالیس دروازے بلند اور بہت کشادہ ہوں۔ باہر شہر کے جلد بنواؤ۔ کچھ عرصہ میں ویسی عمارت وسیع جیسا کہ دل چاہتا تھا بن کر تیار ہوئی اور اس عمارت کے چالیس دروازوں سے محتاج اور مسکین آتے جنہیں ہر روز فجر سے شام تک فقیروں اور بیکسوں کے تئیں روپے اشرفیاں دیتا اور جو کوئی جس چیز کا سوال کرتا میں اسے مالا مال کرتا۔ عرض چالیسوں دروازوں سے حاجتمند آتے اور جو چاہتے سو لے جاتے ایک روز کا ذکر ہے کہ ایک فقیر سرائے کے دروازہ سے آیا اور سوال کیا میں نے اسے ایک اشرفی دی پھر وہی دوسرے دروازے سے ہو کر آیا اور دو اشرفیاں مانگی میں نے پہچان کر درگذر کی اور دو اس کو دے دیں۔ اسی طرح اس نے ہر ایک دروازے سے آنا اور ایک ایک اشرفی بڑھانا شروع کیا اور میں جان بوجھ کر انجان ہوا اور اس کے سوال کے موافق دیتا گیا۔ آخر چالیس دروازوں کی راہ سے آ کر چالیس اشرفیاں اس نے طلب کیں وہ بھی میں نے دلوا دیں۔ اتنا کچھ لے کر بھی وہ درویش گیا نہیں بلکہ پھر پہلے دروازے پر آ کر سوال کرنا شروع کر دیا اس کی یہ حرکت مجھے سخت بری معلوم ہوئی اور میں نے اس سے کہا کہ اے درویش تو کس طرح کا فقیر ہے کہ دنیا کی حرص سے جی نہیں بھرتا۔ تو کیسا فقیر ہے کہ فقر کے تینوں حرفوں سے بھی واقف نہیں۔ فقیر کا عمل ان پر چاہیے۔ فقیر بولا بھلا تمہیں بتاؤ میں نے کیا کیا۔ پھر میں نے کہا جس میں یہ باتیں ہوں وہ فقیر نہیں اتنا جو تجھے ملا ہے۔ اس کو کھا پی کر پھر

www.urduacademyts.com

آئیواور جو مانگے گا لے جائیو یہ خیرات احتیاج رفع کرنے کے واسطے ہے نہ کہ جمع کرنے کے لئے اے حریص تو نے چالیس دروازے سے ایک اشرفی سے چالیس اشرفی لیں اس کا حساب تو کر کہ ریوڑی کے پھیر کی طرح کتنی اشرفی لیں اور اس پر بھی تجھے حرص پہلے دروازہ پر لے آئی۔ اتنا مال جمع کر کے کیا کرے گا فقیر کو چاہئے کہ ایک روز کی فکر کرے۔ دوسرے دن پر نئی روزی دینے والا ہے۔ اب حیا اور شرم پکڑ صبر و قناعت کو کام میں لا یہ کیسی فقیری ہے جو تجھے مرشد نے بتائی ہے۔ فقیر یہ میری بات سن کر خفا اور بد دماغ ہوا اور جتنا مجھ سے لے کر جمع کیا تھا۔ سب زمین پر ڈال دیا اور بولا بس بابا اتنے گرم مت ہو۔ اپنی کائنات لے کر رکھ چھوڑ اور سخاوت کا نام نہ لیجیو سخی ہونا بہت مشکل ہے۔ تم سخاوت کا بوجھ نہیں اُٹھا سکتے اس منزل پر کب پہونچو گے ابھی دلی دور ہے۔ سخی کے بھی تین حرف ہیں۔ پہلے ان پر عمل کرو تب سخی کہلاؤ۔ تب تو میں ڈرا اور کہا بھلا داتا اس کے معنی مجھے سمجھاؤ کہنے لگا س سے سمائی اور خ سے خوفِ الٰہی اور ی سے یاد رکھنا اپنی موت کو جب تک اتنا نہ ہوئے تو سخاوت کا نام نہ لے اور سخی کا یہ درجہ ہے کہ اگر بدکار ہے تو بھی خدا کا دوست ہے۔ اس فقیر نے بہت سے ملکوں کی سیر کی ہے لیکن سوائے بصرے کی بادشاہزادی کے کوئی سخی دیکھنے میں نہ آیا۔ سخاوت کا جامہ خدا نے اس عورت پر قطع کیا ہے اور سب نام چاہتے ہیں پر ویسا کام نہیں کرتے یہ سن کر میں نے بہت منت کی اور قسمیں دیں کہ میری تقصیر کو معاف کرو اور جو چاہو سو لو میرا دیا ہرگز نہ لیا اور یہ بات کہتا ہوا چلا گیا کہ اب اگر اپنی ساری بادشاہت دے تو اس پر بھی نہ تھوکوں اور نہ دھار ماروں وہ چلا گیا پر بصرے کی بادشاہزادی کی تعریف سننے سے دل بے کل ہوا کسی طرح کل نہ تھی اب یہ آرزو ہوئی کہ کسی صورت سے بصرے چل کر اس کو دیکھنا چاہئے۔ اس عرصہ میں بادشاہ نے وفات پائی اور تخت پر میں بیٹھا۔ سلطنت ملی پر وہ خیال نہ گیا۔ وزیر اور امیروں سے جو پائے تختِ سلطنت کے اور ارکان مملکت کے تھے۔ مشورت کی کہ سفر بصرے کا کرنا چاہتا ہوں تم اپنے کاموں میں مستعد رہو۔

www.urduacademyts.com

اگر زندگی ہے تو سفر کی عمر کوتاہ ہوتی ہے۔ جلد پھر آتا ہوں۔ کوئی میرے جانے پر راضی نہ ہوتا ناچار دل تو اداس ہو ہی رہا تھا۔ ایک دن بغیر سب کے کہے سنے چپکے سے وزیر با تدبیر کو بلا کر مختار اور وکیل مطلق اپنا کیا اور سلطنت کا مدار المہام بنایا۔ پھر میں نے گیروا لباس پہن کر فقیر کا بھیس بدل کر اکیلا راہ بصرے کی لی۔ تھوڑے دنوں میں اس کی سرحد میں جا پہونچا تب سے یہ تماشہ دیکھنے لگا کہ جہاں رات کو مقام کرتا نوکر چاکر اسی ملکہ کے استقبال کر کے اسی ملکہ کے کسی معقول مکان میں اتارتے اور جتنا لوازمہ ضیافت کا ہوتا بخوبی موجود کر کے دست بستہ خدمت میں تمام رات حاضر رہتے۔ دوسری منزل میں بھی یہی صورت پیش آئی۔ اس آرام سے مہینوں کی راہ طے کی آخر بصرے میں داخل ہوا وہیں ایک جوان شکیل خوش لباس نیک خو صاحب مروت کہ دانائی اس کے قیافے سے ظاہر تھی میرے پاس آیا اور اس شیریں کلامی سے کہنے لگا کہ میں فقیر کا خادم ہوں۔ ہمیشہ اس تلاش میں رہتا ہوں کہ جو کوئی مسافر فقیر یا دنیادار اس شہر میں آوے اس میرے گھر میں قدم رنجہ فرماوے۔ سوائے اس مکان کے یہاں اور پردیسی کو رہنے کی جگہ نہیں ہے۔ آپ تشریف لے چلئے اور مکان کو زینت بخشئے اور مجھے سرفراز کیجئے۔ فقیر نے کہا صاحب کا اسم شریف کیا ہے۔ گمنام کا نام بیدار بخت ہے اس کی خوبی اور تملق دیکھ کر یہ عاجز اس کے ساتھ ساتھ چلا اور اس کے مکان میں گیا دیکھا تو ایک عمارت عالیشان لوازمِ شاہانہ سے تیار ہے۔ ایک دالان میں مجھ کو لے جا کر بٹھایا اور گرم پانی منگوا کر ہاتھ پیر دھلوائے اور دسترخوان بچھوا کر مجھ تن تنہا کے روبرو بکاول نے ایک تورے کا تورا چن دیا۔ چار مشقاب ایک میں یخنی پلاؤ۔ دوسری میں قورمہ۔ تیسری متنجن پلاؤ چوتھی میں کوکو پلاؤ اور قاب زردے کی اور کئی طرح کے قلئے، دو پیازے، نرگسی بادامی روغن جوش اور روٹیاں کئی قسم کی باقر خانی تنگی شیرمال گاؤدیدہ۔ نان گاؤزبان۔ نعمت پراٹھے اور کباب کوفتے۔ خاگینہ ملغوبہ شب دیگ میں دم پخت۔ حلیم ہریسہ سنبوسہ درتی قبولی فرنی شیربرنج ملائی حلوہ افالودہ آب شورہ۔ مربہ۔ آچاردان

www.urduacademyts.com

دہی کی قلفیاں یہ نعمتیں دیکھ کر روح بھر گئی جب ایک ایک نوالہ ہر ایک کا لیا پیٹ بھر گیا کھانے سے ہاتھ کھینچا وہ شخص کہنے لگا کہ صاحب نے کھانا کیا کھایا ابھی تو سب کھانا دھرا ہے۔ بے تکلف ہو کر نوش جان فرمایئے میں نے کہا کھانے میں کیا شرم ہے۔ خدا تمہارا خانہ آباد رکھے جو کچھ میرے پیٹ میں سمایا سو میں نے کھایا لو اب مہربانی اور ذائقہ کی اس کے کیا تعریف کروں کہ اب تک زبان چاٹتا ہوں اور جوڈ کار آتی ہے سو معطر۔ جب دستر خوان اٹھا زیر انداز کاشانی مخمل کا مقیش بچھا کر چلمچی آفتابہ لائی بیسن دان میں سے خوشبودار بیسن دے کر گرم پانی سے ہاتھ دھلائے پھر پاندان جڑاؤ میں گلوریاں سونے کے پکھروٹوں میں بندھی ہوئی اور چوگھڑوں میں گلوری۔ چکنی سپاری اور لونگ الائچیاں روپہلے ورقوں میں منڈھی ہوئی لا کر رکھیں جب پانی پینے کو مانگتا تب صراحی برف میں لگی ہوئی آبدار لے آتا۔ جب شام ہوئی فانوس میں کافوری شمعیں روشن ہوئیں اور وہ عزیز بیٹھا ہوا باتیں کرتا رہا۔ جب پہر رات گئی بولا آپ اس چھپر کھٹ میں کہ جس کے آگے اودا پیش گیر کھڑا ہے۔ آرام کیجئے فقیر نے کہا اے صاحب ہم فقیروں کو ایک بوریا بستر کے لئے بہت ہے یہ خدا نے تم دنیاداروں کے واسطے بنایا ہے۔ کہنے لگا یہ سب اسباب درویشوں کی خاطر ہے کچھ میرا مال نہیں اس کے بضد ہونے سے ان بچھونوں پر کہ پھولوں کی سیج سے بھی نرم تھے جا کر لیٹا دونوں جانب گلدان اور چنگیریں پھولوں کی چنی ہوئی اور عود سوز اور لخلخے روشن تھے جدھر کو کروٹ لیتا دماغ معطر ہو جاتا اس عالم میں سو رہا جب صبح ہوئی ناشتہ کو بھی بادام پستہ انگور ناشپاتی انار کشمش چھوہارے اور میوے کا شربت لا حاضر کیا۔ اس طور سے تین رات دن رہا چوتھے روز میں نے رخصت مانگی ہاتھ جوڑ کر کہنے لگا۔ شاید اس گنہگار سے خدمت گاری میں کچھ قصور ہوا کہ جس کے باعث مزاج تمہارا مکدر ہوا میں نے حیران ہو کر کہا برائے خدا یہ کیا مذکور ہے لیکن مہمانی کی شرط تین دن ہے سو میں رہا زیادہ رہنا خوب نہیں اور علاوہ ازیں یہ فقیر واسطے سیر کے نکلا ہے۔ اگر ایک ہی جگہ رہا جائے تو مناسب نہیں اس

www.urduacademyts.com

لئے اجازت چاہتا ہوں نہیں تو تمہاری خوبیاں ایسی نہیں کہ جدا ہونے کو جی چاہے تب وہ بولا جیسی مرضی ایک ساعت توقف کیجئے کہ بادشاہزادی کے حضور میں جا کر عرض کروں اور تم جو چاہتے ہو تو کچھ اسباب اوڑھنے اور بچھانے کا اور کھانے کے باسن روپے سونے کے جڑاؤ اور اس مہمان خانے میں سب تمہارا مال ہے اس کو ساتھ لے جانے کی خاطر جو فرماؤ تدبیر کی جائے میں نے کہا کہ لاحول پڑھو فقیر نہ ہوئے بھاٹ ہوئے اگر یہی غرض دل میں ہوتی تو فقیر کاہے کو ہوتے دنیاداری کیا بری تھی۔ اس عزیز نے کہا یہ احوال ملکہ سنے تو خدا جانے اس خدمت سے علیحدہ کر کے کیا سلوک کرے اگر تم کو ایسی ہی بے پرواہی ہے تو اس سب کو کوٹھڑی میں امانت بند کر دو اور سر بمہر کر دو پھر جو چاہو سو کرنا میں نہ قبول کرتا تھا اور وہ بھی نہ مانتا تھا ناچار یہی صلاح ٹھہری کہ سب اسباب بند کر کے مقفل کر دیا اور منتظر رخصت کا ہوا اتنے میں ایک خواجہ سرا سر پر پیچ و تاب اور مکر بند باندھے ہوئے ایک عصا سونے کا جڑاؤ ہاتھ میں میرے نزدیک آیا ایسی مہربانی اور ملائمت سے گفتگو کرنے لگا جس کا بیان نہیں کر سکتا ہوں کہ اے میاں اگر توجہ و کرم کر کے اس مشتاق کے غریب خانہ کو اپنے قدم کی برکت سے رونق بخشے تو بندہ نوازی اور غریب پروری سے بعید نہیں۔ شاید شہزادی سنے کوئی مسافر یہاں آیا تھا اس کی تواضع اور مدارات کسی نے نہ کی وہ یوں ہی چلا گیا تو اس واسطے واللہ عالم مجھ پر کیا آفت آئے اور کیسی قیامت اٹھائے بلکہ حرف زندگی پر آئے میں نے ان باتوں کو نہ مانا تب خواہ مخواہ منتیں کر کے میرے تئیں اور ایک حویلی میں کہ پہلے سے بہتر تھی لے گیا۔ اس نے پہلے میزبان کی مانند تین رات تین دن دونوں وقت ویسے ہی کھانے اور صبح تیسرے پہر شربت اور تفنن کی خاطر میوے کھلائے اور باسن نقرئی اور طلائی اور فرش فروش اور اسباب جو کچھ وہاں تھا مجھ سے کہنے لگا کہ ان سب کے تم مالک و مختار ہو جو چاہو سو کرو یہ باتیں سن کر حیران ہوا اور چاہا کہ کسی نہ کسی طرح سے رخصت ہو کر بھاگوں میرے بستر ے کو دیکھ کر وہ محلی بولا اے خدا کے بندے جو تیرا مطلب یا آرزو

www.urduacademyts.com

ہوسو مجھ سے کہہ تو میں حضور ملکہ سے جا کر عرض کروں میں نے کہا کہ میں فقیری لباس میں دنیا کا مال کیا مانگوں تم بغیر مانگے دیتے ہو اور میں انکار کرتا ہوں تب وہ کہنے لگا کہ حرص دنیا کی کسی کے جی سے نہیں گئی مجھ کو ایک رقعہ دیا بولا بسر وچشم کیا مضائقہ میں نے ایک رقعہ لکھا پہلے شکر خدا کا پھر احوال یہ بندۂ خدا کا کئی روز سے اس شہر میں وارد ہے اور سرکار سے سب طرح کی خبر گیری ہوتی ہے۔ جیسی خوبیاں اور نیک نامیاں ملکہ کی سنکر اشتیاق دیکھنے کا ہوا تھا اس سے چار چند پایا اب حضور کے ارکان دولت یوں کہتے ہیں کہ جو مطلب اور تمنا تیری ہو ظاہر کر اس واسطے بے حجابانہ جو دل کی آرزو ہے سو عرض کرتا ہوں کہ میں دنیا کے مال کا محتاج نہیں اپنے ملک کا میں بھی بادشاہ ہوں فقط یہاں تک آنا اور محنت اٹھانا آپ کے اشتیاق کے سبب سے ہوا جو تن تنہا اس صورت سے آپہونچا ہوں اب امید یہ ہے کہ حضور کی توجہ سے یہ خاک نشین اپنے مطلب دلی کو پہونچے تو لائق ہے آگے جو مرضی مبارک اگر یہ التماس خاکسار کا قبول نہ ہوگا تو اسی طرح خاک چھانتا پھرے گا۔ مجنون وفرہاد کی مانند جنگل یا پہاڑ پر مرے گا یہی مدعا لکھ کر اس خواجہ کو دیا۔ اس نے بادشاہزادی تک پہونچایا بعد ایک دم کے پھر آیا۔ اور میرے تئیں بلایا اور اپنے ساتھ محل کی ڈیوڑھی پر لے گیا وہاں جا کر دیکھا تو ایک بوڑھی سی عورت صاحب لیاقت سنہری کرسی پر گہنا پاتا پہنے ہوئے بیٹھی ہے اور کئی خوجے خدمت گار مکلّف لباس پہنے ہوئے ہاتھ باندھے سامنے کھڑے ہیں۔ میں اسے مختار کار جان کر اور دیرینہ سمجھ کر دست بستہ ہوا۔ اس ماما نے بہت مہربانی سے سلام لیا اور حکم کیا کہ آؤ بیٹھو۔ خوب ہوا جو تم آئے۔ تمہیں نے ملکہ کو اشتیاق کا رقعہ لکھا تھا۔ میں شرم کیوجہ سے چپکا ہو رہا اور سر نیچے کر کے بیٹھ گیا ایک ساعت کے بعد بولی کہ اے جوان بادشاہزادی نے فرمایا ہے کہ مجھکو خاوند کرنے سے عیب نہیں تم نے میری درخواست کی لیکن اپنی بادشاہت کا بیان کرنا اور اس فقیری میں اپنے تئیں بادشاہ سمجھنا اور اسکا غرور کرنا بالکل بیجا ہے اس واسطے کہ سب آدمی آپس میں فی الحقیقت ایک ہیں لیکن فضلیت دین اسلام

www.urduacademyts.com

کی اور میں البتہ ایک مدت سے شادی کرنے کی آرزومند ہوں۔ اور جیسے تم دنیا سے بے نیاز ہو میرے تئیں بھی حق تعالےٰ نے اتنا مال دیا ہے کہ جس کا کچھ حساب نہیں پر ایک شرط ہے کہ پہلے مہر ادا کرلو اور مہر شہزادی کا ایک بات ہے جو تم سے ہو سکے میں نے کہا میں سب طرح حاضر ہوں جان و مال سے دریغ نہیں کروں گا۔ وہ بات کیا ہے کہو تو میں سنوں تب اس نے کہا آج کے دن رہ جایئے کل تم سے کہہ دوں گی میں نے خوشی سے قبول کیا اور رخصت ہو کر باہر آیا دن تو گذرا جب شام ہوئی مجھے ایک خواجہ سرا محل میں بلا کر لے گیا جا کر دیکھا تو اکابر عالم و فاضل صاحب شرع حاضر ہیں میں بھی اس جلسہ میں جا کر بیٹھ گیا اور کھانے اقسام اقسام کے شیریں و نمکین چنے گئے وہ سب کھانے لگے اور اور مجھے بھی تواضع کر کے شریک کیا جب کھانے سے فراغت ہوئی ایک دائی اندر سے آئی اور بولی بہروز کہاں ہے اسے بلاؤ بادل نے حاضر کیا اسکی صورت بھلے آدمی کی سی تھی اور بہت سی کنجیاں سونے کی کمر سے لٹکائے ہوئے تھا سلام علیک کر کے میرے پاس آیا اور بیٹھا۔ وہی دائی آ کر کہنے لگی کہ اے بہروز تو نے جو کچھ دیکھا ہے مفصل اسکا بیان کر۔ بہروز نے یہ داستان شروع کی۔ اور مجھ سے مخاطب ہو کر بولا اے عزیز ہماری شاہزادی کی سرکار میں ہزاروں غلام ہیں کہ سوداگری کے کام میں متعین ہیں ان میں سے ایک ادنےٰ میں بھی ہوں ہر ایک ملک کی طرف لاکھوں روپے کا اسباب اور جنس دے کر رخصت فرماتی ہے۔ جب وہاں سے پھر آتا ہے تب اس سے دیس کا احوال اپنے حضور میں پوچھتی ہیں اور سنتی ہیں ایکبار یہ اتفاق ہوا کہ کمترین تجارت کی خاطر چلا شہر نیمروز میں پہونچا وہاں کے باشندوں کو دیکھا تو سب کا لباس سیاہ ہے اور ہر دم نالہ و آہ ہے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ انپر کچھ بڑی آفت پڑی ہے اس کا سبب جس سے میں پوچھتا ہوں کوئی جواب نہ دیتا اسی حیرت میں کئی روز گذرے ایک روز جونہی صبح ہوئی تمام آدمی چھوٹے بڑے لڑکے بوڑھے غریب غنی شہر کے باہر چلے ایک میدان میں جا کر جمع ہوئے اور اس ملک کا بادشاہ بھی سب امیروں کے ساتھ سوار

www.urduacademyts.com

ہوااور وہاں گیا تب سب برابر قطار باندھ کر کھڑے ہوئے میں بھی ان کے درمیان کھڑا تماشہ دیکھتا تھا۔ یہ معلوم ہوتا تھا کہ وہ سب کسی کا انتظار کررہے ہیں ایک گھڑی کے عرصہ میں دور سے ایک جوان پریزادصاحبِ جمال پندرہ سولہ برس کا سن وسال غل وشور کرتا ہوااور کف منہ سے جاری ایک ہاتھ میں کچھ لئے مقابل خلق اللہ کے آیا اور اپنے بیل پر سے اترا ایک ہاتھ میں ناتھ اور ایک ہاتھ میں تلوار ننگی لے کر دوزانو بیٹھا ایک غلام گل اندام پری چہرہ اس کے ہمراہ تھا اسکو اس جوان نے وہ چیز جو ہاتھ میں تھی وہ دی وہ غلام لے کر ایک دوسرے سے ہر ایک کو دکھاتا جاتا تھا کہ جو کوئی دیکھتا تھا بے اختیار دھاڑ مار کر روتا تھا اسی طرح سب کو دکھاتا اور رلاتا ہوا سب کے سامنے سے ہو کر اپنے آقا یعنی مالک کے پاس پھر گیا۔ اس کے جاتے ہی وہ جوان اٹھا اور اس غلام کا سر شمشیر سے کاٹ کر اور سوار ہو کر جدھر سے آیا تھا ادھر چلا گیا سب کھڑے دیکھا کرتے جب نظروں سے غائب ہوا لوگ شہر کی طرف پھرے میں ہر ایک سے ماجرے کی حقیقت پوچھتا تھا بلکہ روپیوں کا لالچ دیتا تھا اور خوشامد ومنت کرتا تھا کہ مجھے ذرا بتاؤ کہ یہ جوان کون ہے اور اس نے یہ کیا حرکت کی اور کہاں سے آیا اور کہاں گیا۔ ہرگز کسی نے نہ بتایا اور نہ کچھ میرے خیال میں آیا اور ملکہ کے روبرو اظہار کیا تب سے بادشاہزادی بھی حیران ہوگئی اور اس کے تحقیق کرنے کی خاطر اس نے مہر اپنا وہی مقرر کیا کہ جو شخص اس عجوبہ کی پوری خبر لادے اسی کو پسند فرمائے اور وہی مالک سارے ملک کا اور ملکہ کا ہوئے یہ ماجرا تم نے سنا اپنے دل میں غور کرو اگر تم اس جوان کی خبر لاسکو تو قصد ملک نیمروز کا کرو اور جلد روانہ ہو نہیں تو انکار کر کے گھر کی راہ لو میں نے جواب دیا کہ اگر خدا چاہے تو جلد اسکا احوال سر سے پاؤں تک دریافت کر کے بادشاہزادی کے پاس آپہونچتا ہوں اور جو میری قسمت بد ہے تو اسکا کچھ علاج نہیں لیکن ملکہ اسکا قول وقرار کریں کہ اپنے کہنے سے نہ پھیریں اور بالفعل ایک اندیشہ میرے دل میں خلش کررہا ہے۔ اگر ملکہ غریب نوازی اور مسافر پروری سے حضور میں بلاویں اور پردے سے

www.urduacademyts.com

باہر بٹھلاویں تو میری التماس اپنے کانوں سے سنیں اور اسکا جواب اپنی زبان سے فرماویں تو میری خاطر جمع ہو اور مجھ سے سب کچھ ہو سکے یہ میرے مطلب کی بات اس ماما نے روبرو اس پری پیکر کے عرض کی بارے قدردانی کی راہ سے حکم کیا انہیں بلالو۔ دائی پھر باہر آئی اور مجھے اپنے ساتھ محل میں بادشاہ زادی کے پاس لے گئی کیا دیکھتا ہوں کہ دو رویہ صف باندھے دست بستہ سہیلیاں کھڑی ہیں اندر کا اکھاڑہ کہوں یا پریوں کا امارا بے اختیار ایک آہ بیخودی سے زبان تک آئی اور کلیجہ تھلکنے لگا ان کو دیکھتا بھالتا اور سیر کرتا ہوا آگے چلا لیکن پاؤں سو سو من کے ہو گئے جس کو دیکھو پھر یہ جی نہ چاہے کہ آگے جاؤ ایک طرف چلمن پڑی تھی اور مونڈھا جڑاؤ بچھوا رکھا تھا اور ایک چوکی بھی صندل کی بچھوا رکھی تھی۔ دائی نے مجھے بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ میں مونڈھے پر بیٹھ گیا اور وہ چوکی پر کہنے لگی تو اب جو کہتا ہے سو جی بھر کر کہہ تو میں نے ملکہ کی خوبیوں کی اور عدل انصاف داد و دہش کی پہلے تعریف کی پھر کہنے لگا جب سے میں اس ملک کی سرحد میں آیا ہوں ہر ایک منزل میں یہی دیکھا کہ جا بجا مسافر خانے اور عمارتیں عالی بنی ہوئی ہیں اور آدمی ہر ایک عہدے کے تعینات ہیں کہ خبر گیری مسافروں اور محتاجوں کی کرتے ہیں۔ مجھے بھی تین تین دن تک ہر ایک مقام میں گذرے چوتھے روز میں میں رخصت ہونے لگا کبھی کسی نے خوشی سے نہ کہا جاؤ اور جتنا اسباب اس مکان میں تھا شطرنجی قالین گویا ہر طرح کا سامان میرے حوالے کیا کہ یہ تمہارا مال ہے چاہو اب لے جاؤ نہیں تو ایک کوٹھڑی میں بند کر کے اپنی مہر کرو۔ جب تمہاری خوشی ہوگی پھرتے ہوئے لے جائیو۔ میں نے یوں کیا پر یہ حیرت ہے کہ جب مجھ سے فقیر تن تنہا سے یہ سلوک ہو تو ایسے غریب ہزاروں تمہارے ملک میں آتے جاتے ہوں گے پس اگر ہر ایک سے یہی مہمانداری کا طور رہتا ہوگا تو مبلغ بے حساب خرچ ہوتے ہوں گے پس اتنی دولت کہ جس کا یہ صرف ہے کہاں سے آئی اور کیسی ہے اگر گنج قارون ہو تو بھی وفا نہ کرے اگر ملکہ کی ظاہر میں نگاہ کیجئے تو اسکی آمدنی فقط باورچی خانے کے خرچ کو بھی کفایت نہ کرتی ہوگی اور

www.urduacademyts.com

خرچوں کا تو کیا ذکر ہے۔ اگر اسکا بیان ملکہ لی زبان سے سنوں تو خاطر جمع ہو قصد ملک نیمروز کا کروں اور جوں توں جا پہونچوں پھر سب احوال دریافت کر کے ملکہ کی خدمت میں بشرط زندگی حاضر ہوں یہ سنکر ملکہ نے اپنی زبان سے کہا کہ اے جوان اگر تجھے آرزو کمال ہے کہ یہ بات دریافت کرے تو آج کے دن بھی قیام کر شام کو تجھے حضور میں طلب کر کے جو کچھ احوال اسوقت بے زوال کا ہے بے کم وکاست کہا جائیگا میں یہ تسلی پا کر اپنی استقامت کے مکان پر آ کر منتظر تھا کہ کب شام ہو تو میرا مطلب تمام ہو اتنے میں خواجہ سرا چوگوشیہ تورہ پوش غلاموں کے سر پر دھرے آ کر موجود ہوا اور بولا کہ حضور سے یہ خاصہ عنایت ہوا ہے۔ اس کو تناول کرو۔ جس وقت میرے سامنے کھولے بو باس سے دماغ معطر ہو گیا۔ اور روح بھر گئی جتنا کھا سکا کھا لیا باقی ان سبھوں کو اٹھا دیا اور شکر نعمت کہلا بھیجا بارے جب آفتاب تمام دن کا مسافر تھکا ماندہ گرتا پڑتا اپنے محل میں داخل ہوا اور مہتاب دیوان خانہ میں اپنے مصاحبوں کو ساتھ لے کر بیٹھا اسوقت دائی آئی اور مجھ سے کہنے لگی کہ چلو بادشاہزادی نے یاد فرمایا ہے میں اس کے ہمراہ ہو لیا خلوت خاص میں لے گئی۔ روشنی کا یہ عالم تھا کہ شب قدر ہو رہی تھی اور بادشاہی فرش پر مسند مغرق بچھی مرصع گاؤ تکیہ لگا ہوا اور اس پر ایک شامیانہ موتیوں کی جھالر کا جڑاؤ استادوں پر کھڑا ہو۔ اور سامنے مسند کے درخت پات جواہر کے لگے ہوئے ہیں۔ گویا عین مین قدرتی سونے کی کیاریوں میں جمے ہوئے اور دونوں طرف دست راست اور دست چپ شاگرد پیشہ و مجرائی دست بستہ باادب آنکھیں نیچے کئے ہوئے تھے اور طوائف اور گائین سازوں کے سر ملائے منتظر یہ سماں اور تیاری کر و فر کی دیکھ کر عقل ٹھکانے نہ رہی۔ دائی سے پوچھا کہ دن کو وہ زیبائش اور رات کو یہ آرائش دن عید اور رات شب برات کہنا چاہئے۔ ملکہ دنیا میں بادشاہ ہفت اقلیم کو یہ عیش میسر نہ ہوگا۔ ہمیشہ یہ ہی صورت رہتی ہے۔ دائی کہنے لگی کہ ہماری ملکہ کا جتنا کارخانہ قائم ہے جو تم نے دیکھا یہ سب ہی اسی دستور سے جاری ہے۔ اسمیں ہرگز خلل نہیں بلکہ افزوں ترقی ہے۔

www.urduacademyts.com

تم یہاں بیٹھو ملکہ دوسرے مکان میں تشریف رکھتی ہیں جا کر خبر کروں۔ دائی یہ کہہ کر گئی اور انہیں پاؤں پھر آئی کہ چلو حضور نے بلایا ہے مگر یہ نہ معلوم ہوا کہ مکان میں جانے کا راستہ کدھر ہے اس واسطے کہ جلی آئینے قدِ آدم چاروں طرف لگے اور ان کی پرواز میں ہیرے موتی جڑے ہوئے ہیں۔ ایک کا عکس ایک میں نظر آتا ہے یہ معلوم ہوتا ہے کہ جواہر کا سارا مکان ہے۔ ایک طرف پردہ پڑا تھا۔ اس کے پیچھے ملکہ بیٹھی تھیں وہ دائی پردے سے الگ بیٹھی اور مجھے بھی بیٹھنے کو کہا تب دائی ملکہ کے فرمانے سے اس طور پر بیان کرنے لگی کہ سن اے جوان دانا سلطان اس اقلیم کا بڑا بادشاہ تھا اس کے گھر میں سات بیٹیاں پیدا ہوئیں۔ ایک روز بادشاہ نے جشن منایا یہ ساتوں لڑکیاں سولہ سنگھار بارہ بھرن بال بال موتی پرو کر بادشاہ کے حضور میں کھڑی تھیں سلطان کے جی میں کچھ آیا اور بیٹیوں کی طرف دیکھ کر فرمایا اگر تمہارا باپ بادشاہ نہ ہوتا اور کسی غریب کے گھر تم پیدا ہوتیں تو تمہیں بادشاہزادی کون کہتا خدا کا شکر کرو کہ شہزادیاں کہلاتی ہو تمہاری یہ ساری خوبیاں میرے دم سے ہیں چھ لڑکیاں ایک زبان ہو کر بولیں کہ جہاں پناہ فرماتے ہیں بجا ہے۔ اور آپ ہی کی سلامتی سے ہماری بھلائی ہے مگر یہ ملکہ یہاں سب بہنوں سے چھوٹی ہے مگر عقل اور شعور سے سب سے بڑی تھی چپکی کھڑی رہی اس گفتگو میں بہنوں کی شریک نہ ہوئی اسواسطے کہ یہ کلمہ کفر کا ہے۔ بادشاہ نے نظرِ غضب سے ان کی طرف دیکھا کہا بی بی تم کچھ نہ بولیں اس کا کیا باعث ہے تب ملکہ نے دونوں ہاتھ رومال سے باندھ کر عرض کی کہ اگر جان کی امان پاؤں اور تقصیر معاف ہو تو یہ لونڈی اپنے دل کی بات گذارش کرے حکم ہوا کہ کیا کہتی ہے تب ملکہ نے کہا قبلۂ عالم آپ نے سنا ہے کہ سچی بات کڑوی لگتی ہے سو اسوقت میں اپنی زندگی سے ہاتھ دھو کر عرض کرتی ہوں اور جو میری قسمت میں لکھنے والے نے لکھا ہے اس کا مٹانے والا کوئی نہیں کسی طرح نہیں ٹلنے کا۔ جس بادشاہ علی الاطلاق نے آپکو بادشاہ بنایا اسی نے مجھے بھی بادشاہزادی کہلوایا۔ اسکی قدرت کے کارخانہ میں کسی کا اختیار نہیں آپ کی

www.urduacademyts.com

ذات ہماری ولی نعمت اور قبلہ و کعبہ ہے۔ حضرت کے قدمِ مبارک کو اگر سر پر رکھوں تو بجا ہے مگر نصیب ہر ایک کے ہاتھ کے ہاتھ میں۔ بادشاہ یہ سنکر طیش میں آئے اور یہ جواب دل پر سخت گراں معلوم ہوا اور بیزار ہو کر فرمایا چھوٹا منہ بڑی بات ہے۔ اب اسکی یہی سزا ہے کہ گہنا پاتا جو کچھ کہ ہاتھ گلے میں ہے اتار لو اور ایک میانہ میں چڑھا کر ایسے جنگل میں جہاں نام ونشانِ آدم نہ ہو پھینک آؤ دیکھیں اس کے نصیبوں میں کیا لکھا ہے۔ بموجب حکمِ بادشاہ کے اس آدھی رات میں کہ عین اندھیری تھی ملکہ جو بھونرے میں پلی تھی اور سوائے اپنے محل کے دوسری جگہ نہ دیکھی تھی اسے لیجا کر ایک میدان میں کہ پرندہ پر نہ مار سکتا تھا انسان کا تو ذکر ہی کیا ہے چھوڑ کر چلے گئے پہلے اس سے ملکہ کے دل پر عجیب حالت گذری کہ ایک دم میں کیا تھا اور کیا ہو گیا پھر اپنے خدا کی جناب میں شکر کیا کہ وہ ایسا ہی بے نیاز ہے۔ جو سب کچھ کرتا اور جو چاہتا ہے کریگا۔ جب تک نتھنوں میں دم ہے تجھ سے ناامید نہیں ہے اسی اندیشہ میں آنکھ لگ گئی جس وقت صبح ہوئی ملکہ کی آنکھ کھلی پکارا کہ وضو کو پانی لانا پھر ایک بارگی رات کی بات چیت یاد آئی تو اٹھ کر تیمم کیا اور دوگانہ شکر کا پڑھا۔ اے عزیز ملکہ کی اس حالت کو سننے سے چھاتی پھٹی جاتی ہے اور اس بھولے بھالے جی سے پوچھنا چاہئے کہ کیا کہتا ہوگا غرض اس میانہ میں بیٹھی ہوئی خدا سے لو لگا رہی تھی۔ جب کچھ بن نہ آئی تب خدا کے سوا کون یاد آتا ہے یوں تو اپنی اپنی تدبیر میں ہر ایک لقمان اور بوعلی سینا ہے۔ اب خدا کے کارخانہ کا تماشہ سنو اس طرح تین دن رات گذر گئے ملکہ کے منہ میں ایک کھیل بھی اڑ کر نہ گئی وہ پھول سا بدن سوکھ کر کانٹا ہو گیا اور وہ رنگ کندن سا دمکتا ہلدی سا بن گیا۔ منہ میں پپھڑی بندھ گئی آنکھیں پتھرا گئیں مگر ایک دم اٹک رہا تھا کہ وہ آتا جاتا تھا جب تک سانس تب تک آس۔ چوتھے روز کو ایک درویش خضر کی صورت نورانی چہرہ روشن دل آظاہر ملکہ کو اس حالت میں دیکھ کر بولا اے بیٹی اگرچہ باپ تیرا بادشاہ ہے لیکن قسمت میں یہ بھی لکھا تھا اب اس فقیر بوڑھے کو اپنا خادم سمجھ اور اپنے پیدا کرنیوالے کا رات

www.urduacademyts.com

دن دھیان رکھ خدا خوب کریگا فقیر کے کشکول میں ٹکڑے بھیک کے موجود تھے ملکہ کے روبرو رکھے اور پانی کی تلاش میں پھرنے لگا۔ دیکھا کہ ایک کنواں تو ہے پر ڈول رسی کہاں سے جس سے پانی بھروں تھوڑے پتے درخت کے توڑ کر دونا بنایا اور اپنی لنگی کھولکر اسمیں باندھ کر پانی نکالا اور ملکہ کو پلایا اب کچھ ہوش آیا۔ اس مردِ خدا نے بے بس اور بے کس جان کے بہت سی تسلی دی اور آپ بھی رونے لگے ملکہ نے جب غم خواری اور دل داری بے حد دیکھی تب اس کے مزاج کو استقلال ہوا۔ اسی روز سے پیر مرد نے یہ مقرر کیا کہ صبح سے بھیک مانگنے کیلئے شہر میں نکل جانا جو ٹکڑا پارچہ پاتا ملکہ کے پاس لے آتا اور کھلاتا۔ اس طور سے تھوڑے دن گذرے ایک روز ملکہ نے تیل سر میں ڈالنے اور کنگھی کرنیکا قصد کیا جونہی موباف کھولا چوٹی میں سے ایک موتی دانہ گول آبدار نکل پڑا ملکہ نے اس درویش کو دیا اور کہا کہ شہر میں اسکو بیچ لاؤ۔ فقیر اس گوہر کو بیچ کر قیمت شہزادی کے پاس لے آیا تب ملکہ نے حکم کیا کہ ایک مکان موافق گذران کے اس جگہ بنواؤ فقیر نے کہا اے بیٹی نیو دیوار کی کھود کر تھوڑی سی مٹی جمع کر کے ایک دن پانی لا کر گارا کر کے گھر کی بنیاد درست کردونگا ملکہ نے اس کے کہنے سے مٹی کھودنی شروع کی جب ایک گز عمیق گڑھا کھودا گیا زمین کے نیچے ایک دروازہ نمودار ہوا ملکہ نے اسکو صاف کیا کھولا تو ایک گھر جواہر اور اشرفیوں سے معمور نظر آیا ملکہ نے چار پانچ اشرفیوں کے لے کر بند کر دیا اور مٹی اوپر سے ہموار کر دی اتنے میں فقیر آیا ملکہ نے فرمایا راج اور معمار اور کاری گر اپنے کام کے استاد اور مزدور جلد بلاؤ جو اس جگہ ایک عمارت شاہانہ اور جواب طاق کسرا کا بنائیں۔ قصر نعمان سے سبق لے جائے اور شہر پناہ اور قلعہ اور باغ اور باولی اور ایک مسافر خانہ کہ لاثانی ہو جلد تیار کریں لیکن پہلے نقشہ ایک کاغذ پر درست کر کے حضور میں لاویں۔ جو پسند کیا جائے فقیر نے ایسے ہی کارکن کارکردہ ذی ہوش لا کر حاضر کئے موافق فرمانے کے تعمیر عمارت کی ہونے لگی اس عمارت عالی شان کی تیاری کی خبر رفتہ رفتہ بادشاہ ظل سبحانی کو جو قبلہ گاہ ملکہ کے تھے پہونچی سن کر

www.urduacademyts.com

بہت متعجب ہوئے اور ہر ایک سے پوچھا کہ یہ کون شخص ہے جس نے یہ محلات بنانے شروع کیے ہیں اس کیفیت سے کوئی واقف نہ تھا جو عرض کرے سبھوں نے کانوں پر ہاتھ رکھا کوئی غلام نہیں جانتا کہ اسکا بانی کون ہے تب بادشاہ نے ایک امیر کو بھیجا اور پیغام دیا کہ میں ان مکانوں کو دیکھنا چاہتا ہوں اور یہ بھی معلوم نہیں کہ تم کہاں کی بادشاہزادی ہو اور کس خاندان سے یہ سب کیفیت دریافت کرنی اپنے کو منظور ہے۔ جونہی ملکہ نے یہ خوشخبری سنی دل میں بہت شاد ہو کر عرضی لکھی کہ جہاں پناہ سلامت حضور کی تشریف لانے کی خبر طرف غریب خانہ کے سن کر نہایت خوشی حاصل ہوئی اور سبب حرمت عزت کمترین کا ہوا ہے۔ طالع اس مکان کے جہاں قدمِ مبارک کے نشان پڑے اور وہاں کے رہنے والوں کے دامن دولت سایہ کرے اور حضور کی نظرِ توجہ سے وہ دونوں سرفراز ہوں یہ لونڈی امیدوار ہے اگر کل روز پنجشنبہ مبارک ہے تشریف فرما کر اپنے نور سے اس ذرۂ بے مقدور کو قدر و منزلت بخشے اور جو کچھ اس عاجزہ سے میسر ہو سکے نوش جان فرمایئے یہ عین غریب نوازی اور مسافر پروری ہے۔ زیادہ حدِ ادب اور اسکو بھی تواضع کر کے رخصت کیا بادشاہ نے عرضی پڑھی اور کہلا بھیجا کہ ہم نے تمہاری دعوت قبول کی البتہ آویں گے ملکہ نے نوکروں اور سب کاروباریوں کو حکم کیا کہ لوازمہ ضیافت کا ایسے سلیقہ سے تیار ہو کہ بادشاہ دیکھ کر اور کھا کر بہت محظوظ ہوں اور اعلےٰ اور ادنےٰ کو کہ بادشاہ کی رکاب میں آویں۔ کھا پی کر خوش ہو کر جاویں ملکہ کے فرمانے اور تاکید کرنے سے سب قسم کے کھانے سلونے اور میٹھے اس ذائقہ کے تیار ہوئے کہ اگر باہمن کی بیٹی کھاتی تو کلمہ پڑھتی جب شام ہوئی بادشاہ شاہوار بخت سوار ہو کر ملکہ کے مکان کی طرف تشریف لائے۔ ملکہ اپنی خاص خاص سہیلیوں کو لے کر استقبال کے واسطے چلیں جونہی بادشاہ کے تخت پر نظر پڑی اس آداب سے بھرا مجرا کیا کہ یہ قاعدہ دیکھ کر بادشاہ اور بھی حیرت میں آ گیا اور اسی انداز سے جلوس کر کے بادشاہ کو تخت مرصع پر لا بٹھایا ملکہ نے سوا لاکھ روپیہ کا چبوترہ تیار کر رکھا تھا اور ایک سو ایک کشتی جواہر

www.urduacademyts.com

اور اشرافی اور پشمینہ اور ریشمی اور طلائی اور زردوزی کی لگا رکھی تھی اور دو زنجیر فیل دس راس اسپ عرابی اور یمنی مرصع ساز سے تیار کر رکھے تھے نذر گذارنے اور آپ دونوں ہاتھ باندھے روبرو کھڑی رہیں۔ بادشاہ نے بہت مہربانی سے فرمایا کہ تم کس ملک کی شاہزادی ہو اور یہاں کس صورت سے آنا ہوا۔ ملکہ نے آداب بجا کر التماس کیا کہ یہ لونڈی وہی گنہگار جو غضبِ سلطان کے باعث اس جنگل میں پہونچی اور یہ سب تماشے خدا کے ہیں۔ جو آپ دیکھتے ہیں یہ سنتے ہی بادشاہ کے لہو نے جوش مارا اٹھ کر محبت سے گلے لگایا اور ہاتھ پکڑ کے اپنے تخت کے پاس کرسی بچھوا کر بیٹھنے کا حکم کیا لیکن بادشاہ حیران اور متعجب بیٹھے تھے۔ فرمایا بادشاہ بیگم کو کہو کہ بادشاہزادیوں لیکر جلد آویں جب وہ آئیں انہوں نے پہچانا اور ملکہ روئیں اور شکر کیا ملکہ نے اپنی والدہ اور ہمشیروں کے روبرو اتنا کچھ نقد اور جواہر رکھا کہ خزانہ تمام عالم کا اس کے پاسنگ میں چڑھے پھر بادشاہ نے سب کے ساتھ بٹھا کر خاصہ نوش جان فرمایا۔ جب تک جہاں پناہ زندہ رہے اسی طرح گذری کبھی کبھی ملکہ کو بھی اپنے محلوں میں لے جاتے جب بادشاہ نے رحلت فرمائی سلطنت اس اقلیم کی ملکہ کو پہونچی کہ ان کے سوا اور کوئی دوسرا لائق کام کرنے کے نہ تھا۔ اے عزیز سرگزشت یہ ہے جو تو نے سنی پس دولت خداداد کو ہرگز زوال نہیں ہوتا۔ مگر آدمی کی نیت درست چاہیئے بلکہ جتنی خرچ کرو اتنی ہی برکت ہوتی ہے خدا کی قدرت میں تعجب کرنا کسی مذہب میں روا نہیں۔ دائی نے یہ بات کہہ کر کہا اگر اب قصد وہاں کے جانے کا اور مہر لانیکا دل میں مقرر رکھتے ہو تو جلد روانہ ہو میں نے کہا اسی وقت جاتا ہوں اور خدا چاہے تو جلد پھر کر آتا ہوں آخر رخصت ہو کر اور فضلِ الٰہی پر توکل کر کے چلا۔

☆☆☆

www.urduacademyts.com

محمد حسین آزاد

محمد حسین نام اور آزاد تخلص تھا۔ والد کا نام محمد باقر تھا۔ دہلی کے رہنے والے تھے۔ آزاد کی ولادت ۱۸۳۲ء میں ہوئی۔ اس دور کے مطابق تعلیم و تربیت کا انتظام کیا گیا۔ مولوی محمد باقر دہلی سے اُردو اخبار نکالا کرتے تھے۔ غدر میں مولوی محمد باقر شہید ہوئے گھر بار لٹ گیا۔ آزاد ان صبر آزما حالات میں مشکلات سے دوچار ہوتے ہوئے آخر میں لاہور پہنچے اور سررشتۂ تعلیم میں پندرہ روپے ماہوار پر ملازم ہو گئے۔ اپنی محنت اور قابلیت سے اپنی اہمیت تسلیم کروائی اور پنجاب گورنمنٹ کے محکمہ تعلیم میں گورنمنٹ کے ایما پر قصصِ ہند اور مختلف درسی کتابیں لکھیں جو بہت مقبول ہوئیں۔ حکومت نے علمی خدمات کے لیے کابل اور بخارا بھی روانہ کیا۔

آزاد نے اپنی علمیت، قابلیت اور ذہانت کے مختلف اور متعدد نقوش اپنی یادگار چھوڑے ہیں۔ اُردو ادب کی باقاعدہ تاریخ ''آبِ حیات'' جو کہ اُردو ادب کا پہلا تذکرہ ہے۔ رمزیہ افسانہ، نیرنگ خیال کے مضامین جو انشائیہ کے ابتدائی نقوش کہے جا سکتے ہیں۔ علم اللسان پر سخندانِ فارس ان کے چند اہم کارنامے ہیں۔ آزاد کا ایک اور اہم کام انجمن پنجاب کا قیام اور کرنل ہال رائیڈ کی سرپرستی میں موضوعاتی نظموں کے مشاعرے ہیں جو جدید اُردو شاعری کی بنیاد قرار دیے جا سکتے ہیں۔

شاملِ نصاب ''سید انشا کا انجام'' آزاد کی ''آبِ حیات'' کا اقتباس ہے اس میں آزاد نے سید انشا کے حالات کا جس اثر آفرینی کے ساتھ تذکرہ کیا ہے وہ قابل مطالعہ ہے۔ مختصراً ادب کی ایک ایسی شخصیت ہیں جن کے ذکر کے بغیر نظم و نثر کی ادبی تاریخ مرتب نہیں ہو سکتی۔

☆☆☆

www.urduacademyts.com

سید انشا کا انجام

نہایت افسوس کے قابل یہ بات ہے کہ سعادت علی خاں کے ہاتھوں سید انشا کا انجام اچھا نہ ہوا۔اس کے مختلف سبب ہیں۔اوّل تو یہ کہ اگر چہ اپنی ہمرنگ طبیعت کے زور سے انہوں نے اُنہیں پر چالیا تھا۔مگر در حقیقت اِن کے اور اُن کے معاملہ کا مصداق ان کا مطلع تھا ۔

رات وہ بولے مجھ سے ہنس کر چاہ میاں کچھ کھیل نہیں
میں ہوں ہنسوڑ اور تُو ہے مُقطّع میرا تیرا میل نہیں

مثلاً اکثر میلوں تماشوں میں چلنے کیلئے کچھ احباب کا تقاضا کچھ اُن کی طبیعتِ اصلی کا تقاضا۔غرض انہیں جانا ضرور اور یہ سعادت علی خاں کی طبع کے بالکل مخالف اکثر ایسا ہوا کہ وہ اپنے کاغذات دیکھ رہے ہیں۔صاحبوں کے ساتھ یہ بھی حاضر ہیں۔اس میں ایک آدھ لطیفہ بھی ہوتا جاتا ہے۔اِنہوں نے عرض کی حضور غلام کو اجازت ہے؟ وہ بولے کہ ہوں! کہاں؟ انہوں نے کہا کہ حضور آج آٹھوں کا میلہ ہے۔اُنہوں نے کہا لاحول ولاقوۃ۔سید انشا بولے کہ مناسب تو یہ تھا کہ حضور بھی تشریف لے چلتے۔نواب نے کہا انشا ایسے ناروا مقاموں میں جانا تمہیں کس نے بتایا ہے! عرض کی۔حضور وہاں تو جانا ایک اعتبار سے فرضِ عین ہے اور ایک نظر سے واجبِ کفائی ہے۔ایک لحاظ سے سُنّت ہے۔پھر سب کی توجیہیں بھی الگ الگ بیان کیں۔آخر اسی عالم مصروفیت میں سنتے سنتے دق ہو کر نواب نے کہہ دیا۔قصّہ مختصر کرو۔اور جلدی سدھارو اُسی وقت مونچھوں پر تاؤ دے کر بولے۔کون ہے آج سوا سید انشا کے کہ جو کچھ کہے۔اُسے عقل سے نقل سے۔آیت سے اور روایت سے ثابت نہ کردے۔ایسی باتیں بعض موقع پر نواب کو موجبِ تفریح ہوتی تھیں۔بعض دفعہ

www.urduacademyts.com

بمقتضائے طبیعتِ اصلی مکدر ہو جاتے تھے خصوصاً جبکہ رخصت کے وقت خرچ مانگتے تھے۔ کیونکہ وہ شاہ عالم نہ تھا۔ سعادت علی خاں تھا۔

گر جاں طلبی مضایقہ نسیت
زر مے طلبی سخن درین است

غضب یہ ہوا کہ ایکدن سرِ دربار بعض شرفائے خاندانی کی شرافت ونجابت کے تذکرے ہو رہے تھے۔ سعادت علی خاں نے کہا کہ کیوں بھئی ہم بھی نجیب الطرفین ہیں۔ اسے اتفاق تقدیر کہو۔ یا زیادہ گوئی کا ثمرہ سمجھو۔ سید انشا بول اُٹھے کہ حضور بلکہ انجب۔ سعادت علی خاں حرم کے شکم سے تھے وہ چُپ اور تمام دربار دَ ہم ہو گیا۔ اگرچہ انہوں نے پھر اور باتیں بنا بنا کر بات کو مٹانا چاہا۔ مگر کمانِ تقدیر سے تیر نِکل چکا تھا۔ وہ کھٹک دل سے نہ نکلی کہ وَلَدُ الْجَارِیَتِہِ اَنْجَبُ

اب نواب کے انداز بدلنے لگے اور اس فکر میں رہنے لگے کہ کوئی بہانہ انکی سخت گیری کے لئے ہاتھ آئے۔ یہ بھی انواع واقسام کے چٹکلوں سے اُس کے آئینہ عنایت کو چمکاتے۔ مگر دل کی کدورت صفائی کی صورت نہ بننے دیتی تھی۔ ایک دن سید انشا نے بہت ہی گرم لطیفہ سُنایا۔ سعادت علی خاں نے کہا کہ انشا! جب کہتا ہے ایسی بات کہتا ہے کہ نہ دیکھی ہو نہ سُنی ہو۔ یہ موچھوں پر تاؤ دیکر بولے کہ حضور کے اقبال سے قیامت تک ایسی ہی کہے جاؤں گا۔ کہ نہ دیکھی ہو نہ سُنی ہو۔ نواب تو تاک میں تھے۔ چیں بجبیں ہو کر بولے کہ بھلا زیادہ نہیں! فقط دو لطیفے روز سُنا دیا کیجیے۔ مگر شرط یہی ہے کہ نہ دیکھے ہوں اور نہ سُنے ہوں نہیں تو خیر نہ ہو گی۔ سید انشا سمجھ گئے کہ یہ انداز کچھ اور ہیں۔ خیر اُس دن سے دو لطیفے روز تو اِنہوں نے سُنانے شروع کر دئے۔ مگر چند روز میں یہ عالم ہو گیا کہ دربار کو جانے لگتے تو جو پاس بیٹھا ہوتا۔ اُسی سے کہتے کہ کوئی نقل۔ کوئی چٹکلا یاد ہو تو بتاؤ۔ ذرا نواب کو سُنائیں۔ وہ کہتا کہ جناب بھلا آپکے سامنے اور ہم چٹکلے کہیں! یہ کہتے کہ میاں کوئی بات چڑیا کی چنونے کی جو تمہیں یاد ہو کہہ دو۔ میں لون مرچ لگا کر اسے خوش کر لوں گا۔ اسی اثنا میں ایک دن ایسا ہوا

www.urduacademyts.com

کہ سعادت علی خاں نے انہیں بُلا بھیجا۔ یہ کسی اَور امیر کے ہاں گئے ہوئے تھے۔ چوبدار نے آ کر عرض کی کہ گھر نہیں ملے۔ خفا ہو کر حکم دیا کہ ہمارے سوا کسی اور کے ہاں نہ جایا کرو۔ اس قیدِ بے زنجیر نے انہیں بہت دق کیا۔ زیادہ مصیبت یہ ہوئی کہ تعالی اللہ خاں نوجوان بیٹا مر گیا۔ اس صدمہ سے حواس میں فرق آ گیا۔ یہاں تک کہ ایک دن سعادت علی خاں کی سواری ان کے مکان کی طرف سے نِکلی۔ کچھ غم و غصہ۔ کچھ دل بے قابو۔ غرض سرِ راہ کھڑے ہو کر سخت و سُست کہا۔ سعادت علی خاں نے جا کر تنخواہ بند کر دی۔

جنون میں کیا کسر رہی

سعادت علی خانِ رنگین اُن کے بڑے یار تھے۔ اور دستار بدل بھائی تھے چنانچہ سید انشا خود کہتے ہیں:۔

عجب رنگینیاں ہوتی ہیں کچھ باتوں میں اے انشاؔ
بہم مل بیٹھتے ہیں جب سعادت یار خاں اور ہم

خانِ موصوف کہا کرتے تھے کہ لکھنو میں سید انشا کے وہ رنگ دیکھے۔ جن کا خیال کر کے دنیا سے جی بیزار ہوتا ہے۔ ایک تو وہ اوج کا زمانہ تھا کہ سعادت علی خاں کی ناک کے بال تھے۔ اپنی کمال لیاقت اور شگفتہ مزاجی کے سبب سے مرجع خلائق تھے۔ دروازے پر گھوڑے۔ ہاتھی۔ پالکی نالکی کے ہجوم سے رستہ نہ ملتا تھا۔ دوسری وہ حالت کہ پھر جو میں لکھنو گیا تو دیکھا کہ ظاہر درست تھا۔ مگر درخت اقبال کی جڑ کو دیمک لگ گئی تھی۔ میں ایک شخص کی ملاقات کو گیا۔ وہ اثنائے گفتگو میں دوستان دنیا کی ناآشنائی اور بیوفائی کی شکایت کرنے لگے۔ میں نے کہا البتہ ایسا ہے۔ مگر پھر بھی زمانہ خالی نہیں انہوں نے زیادہ مبالغہ کیا۔ میں نے کہا کہ ایک ہمارا دوست انشا ہے کہ دوست کے نام پر جان دینے کو موجود ہے وہ خاموش ہوئے اور کہا کہ اچھا زیادہ نہیں۔ آج آپ اُن کے پاس جائیے اور کہیے ہمیں ایک تربوز خود

www.urduacademyts.com

بازار سے لا کر کھلا دو۔ موسم کا میوہ ہے کچھ بڑی بات بھی نہیں ہے۔ میں نے کہا کہ یہ بھی کچھ فرمائش ہے! وہ بولے کہ بس یہی فرمایش ہے۔ مگر شرط یہ ہے کہ وہ خود لا کر کھلائیں بلکہ چار آنے کے پیسے بھی آپ مجھ سے لے جائیں۔ میں اُسی وقت اُٹھ کر پہنچا۔ انشا عادتِ قدیم کے بموجب دیکھتے ہی دوڑے۔ صدقہ قربان گئے۔ جم جم آیئے۔ نت نت آیئے۔ بلائیں لینے لگے۔ میں نے کہا۔ یہ ناز و انداز ذرا طاق میں رکھو پہلے ایک تربوز تو لا کر کھلاؤ۔ گرمی نے مجھے جلا دیا۔ انہوں نے آدمی کو پکارا۔ میں نے کہا کہ آدمی کی سی نہیں۔ تم آپ جاؤ اور ایک اچھا سا شہیدی تربوز دیکھ کر لاؤ۔ انہوں نے کہا کہ نہیں آدمی معقول ہے۔ اچھا ہی لائے گا۔ میں نے کہا نہیں کھاؤں گا تو تمہارا ہی لایا ہوا کھاؤں گا۔ انہوں نے ایک ٹھنڈی سانس بھری اور کہا کہ بھائی وہ شخص سچا اور ہم تم دونوں جھوٹے۔ کیا کروں؟ ظالم کی قید میں ہوں۔ سو اور بار کے گھر سے نکلنے کا حکم نہیں۔ تیسرا رنگ میاں رنگین بیان کرتے ہیں کہ میں سوداگری کے لئے گھوڑے لے کر لکھنو گیا اور سرا میں اُترا۔ شام ہوئی تو معلوم ہوا کہ قریب ہی مشاعرہ ہوتا ہے۔ کھانا کھا کر میں بھی جلسہ میں پہنچا۔ ابھی و دتین سو آدمی آئے تھے۔ لوگ بیٹھے باتیں کرتے تھے۔ حقے پی رہے تھے۔ میں بھی بیٹھا ہوں دیکھتا ہوں کہ ایک شخص میلی کچیلی روئی دار مرزئی پہنے۔ سر پر ایک میلا سا پھینٹا۔ گھٹنا پاؤں میں۔ گلے میں پیکیوں کا تو بڑا ڈالے۔ ایک ککڑ کا حقہ ہاتھ میں لئے آیا اور سلام علیکم کہہ کر بیٹھ گیا۔ کسی کسی نے اُس سے مزاج پُرسی بھی کی۔ اُس نے اپنے توبڑے میں ہاتھ ڈال کر تمبا کو نکالا اور اپنی چلم پر سلفا جما کر کہا کہ بھئی ذرا سی آگ ہو تو اس پر رکھ دینا اُسی وقت آوازیں بلند ہوئیں اور گڑگڑی سٹک پیچوان سے لوگ تواضع کرنے لگے۔ وہ بے دماغ ہو کر بولا کہ صاحب! ہمیں ہمارے حال پر رہنے دو۔ نہیں تو ہم جاتے ہیں۔ سب نے اُس کی بات کے لئے تسلیم اور تعمیل کی۔ دم بھر کے بعد پھر بولا کہ کیوں صاحب ابھی مشاعرہ شروع نہیں ہوا؟ لوگوں نے کہا۔ جناب لوگ جمع ہوتے

www.urduacademyts.com

جاتے ہیں۔ سب صاحب آجائیں تو شروع ہو۔ وہ بولا کہ صاحب ہم تو اپنی غزل پڑھے دیتے ہیں! یہ کہہ کر تو بڑے میں سے ایک کاغذ نکالا اور غزل پڑھنی شروع کردی:

کمر باندھے ہوئے چلنے کو یاں سب یار بیٹھے ہیں
بہت آگے گئے باقی جو ہیں تیار بیٹھے ہیں

نہ چھیڑ اے نکہت باد بہاری راہ لگ اپنی
تجھے اٹکھیلیاں سوجھی ہیں ہم بیزار بیٹھے ہیں

تصور عرش پر ہے اور سر ہے پائے ساقی پر
غرض کچھ اور دھن میں اس گھڑی میخوار بیٹھے ہیں

بسان نقش پائے رہرداں کوئے تمنا میں
نہیں اٹھنے کی طاقت کیا کریں لاچار بیٹھے ہیں

یہ اپنی چال ہے افتادگی سے اب کہ پہروں تک
نظر آیا جہاں پر سایۂ دیوار بیٹھے ہیں

کہاں صبر و تحمل۔ آہ ننگ و نام کیا شے ہے
میاں رو پیٹ کر ان سب کو ہم یکبار بیٹھے ہیں

نجیبوں کا عجب کچھ حال ہے اس دور میں یارو
جہاں پوچھو یہی کہتے ہیں ہم بیکار بیٹھے ہیں

بھلا گردش فلک کی چین دیتی ہے کسے انشاؔ
غنیمت ہے کہ ہم صورت یہاں دو چار بیٹھے ہیں

وہ تو غزل پڑھ۔ کاغذ پھینک۔ سلام علیک کہہ کر چلے گئے۔ مگر زمین و آسمان میں سناٹا ہو گیا اور دیر تک دلوں پر ایک عالم رہا جس کی کیفیت بیان نہیں ہو سکتی۔ غزل پڑھتے میں میں نے بھی پہچانا۔ حال معلوم کیا تو بہت رنج ہوا۔ اور گھر پر جا کر پھر ملاقات کی۔ چوتھی دفعہ جو لکھنو گیا تو پوچھتا ہوا گھر پہنچا۔ افسوس جس دروازہ پر ہاتھی جھومتے تھے وہاں دیکھا کہ خاک اُڑتی ہے اور کتے لوٹتے ہیں۔ ڈیوڑھی پر دستک دی۔ اندر سے کسی بڑھیا نے پوچھا کہ کون ہے بھائی؟ وہ ان کی بی بی تھیں، میں نے کہا کہ سعادت یار خاں ولی سے آیا ہے چونکہ سید انشا سے انتہائے درجہ کا اتحاد تھا اُس عفیفہ نے پہچانا دروازہ پر آکر بہت روئیں اور کہا کہ بھیا اُن کی تو عجب حالت ہے۔ اے لو میں ہٹ جاتی ہوں۔ تم اندر آؤ اور دیکھ لو۔ میں اندر گیا۔ دیکھا کہ ایک کونے میں بیٹھے ہیں۔ تن برہنہ ہے دونوں اتھوں پر سر دھرا ہے۔ آگے راکھ کے ڈھیر ہیں۔ ایک ٹوٹا سا حقہ پاس رکھا ہے یا تو وہ شان شکوہ کے گھٹ دیکھتے تھے وہ گرمجوشی اور چہلوں کی ملاقاتیں ہوتی تھیں یا یہ حالت دیکھی بے اختیار دل بھر

www.urduacademyts.com

آیا۔ میں بھی وہیں زمین پر بیٹھ گیا اور دیر تک رویا۔ جب جی ہلکا ہوا تو میں نے پکارا کہ سید انشا۔ سید انشا۔ سر اُٹھا کر اُس نظرِ حسرت سے دیکھا جو کہتی تھی کہ کیا کروں۔ آنکھ میں آنسو نہیں۔ میں نے کہا کیا حال ہے؟ ایک ٹھنڈی سانس بھر کر کہا کہ شکر ہے پھر اس طرح سر کو گھٹنوں پر رکھ لیا کہ نہ اُٹھایا

بعض فلاسفۂ یونان کا قول ہے کہ مدتِ حیات ہر انسان کی سانسوں کے شمار پر ہے۔ میں کہتا ہوں کہ ہر شخص جس قدر سانس یا جتنا رزق اپنا حصہ لایا ہے اسی طرح ہر شے کہ جس میں خوشی کی مقدار اور ہنسی کا اندازہ بھی داخل ہے۔ وہ لکھوا کر لایا ہے۔ سید موصوف نے اس ہنسی کی مقدار کو جو عمر بھر کے لئے تھی تھوڑے وقت میں صرف کر دیا۔ باقی وقت یا خالی رہا۔ یا غم کا حصہ ہو گیا۔

☆☆☆

www.urduacademyts.com

مجتبیٰ حسین

مجتبیٰ حسین 1932ء گلبرگہ میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم وہیں حاصل کی۔ اعلیٰ تعلیم عثمانیہ یونیورسٹی میں ہوئی۔ گھر کا ماحول علمی وادبی تھا چنانچہ مجتبیٰ صاحب نے علمی وادبی مشاغل سے دلچسپی لی۔ مزاح نگاری کا آغاز اخبار ''سیاست'' کے شیشہ و تیشہ کالم سے ہوا۔ فطری مناسبت اور صلاحیت نے اس میں غیر معمولی کامیابی سے ہمکنار کیا۔ ملازمت کے سلسلے میں دہلی میں قیام پذیر رہے۔ بے شمار مضامین اور مجموعے زیور طباعت سے آراستہ ہیں۔ جن میں تکلف برطرف قطع کلام، سو ہے وہ بھی آدمی، بالآخر وغیرہ چند اہم نام ہیں۔

''پدم شری'' کے اعزاز سے ان کی ادبی خدمات کا اعتراف کیا گیا۔ بین الاقوامی محافل میں آپ کو مدعو کیا جاتا ہے۔ وظیفہ پر سبکدوشی کے بعد سے حیدرآباد میں مقیم ہیں۔

مجتبیٰ حسین مزاح نگاروں میں انفرادی مقام و مرتبہ رکھتے ہیں۔ آپ کو زبان پر دسترس حاصل ہے۔ بات میں سے بات پیدا کرنے کا ہنر بڑی مہارت سے برتتے ہیں۔ آپ کی تحریر سادہ رواں اور شگفتہ ہوتی ہے۔

قدیم وجدید ادبی شخصیات کے دلچسپ خاکے لکھنے پر قدرت رکھتے ہیں۔ حسن چشتی نے آپ کے بے شمار مضامین اور خاکوں کا انتخاب دو جلدوں میں شائع کیا ہے۔ اردو مزاح نگاری کی تاریخ مجتبیٰ حسین اور ان کی ادبی خدمات کے ذکر کے بغیر نامکمل ہے۔

☆☆☆

www.urduacademyts.com

بُلّٹ ٹرین میں کبھی نہ بیٹھو

صاحبو! جب سے جاپان آئے ہیں ہمیں اپنے وطن کی ریل گاڑیاں شدت سے یاد آرہی ہیں۔ٹوکیو میں ہماری آوارہ گردی کا واحد ذریعہ جاپانی ٹرینیں ہی ہیں۔یوں بھی سارا جاپان ٹرینوں میں بھاگتا پھرتا ہے۔ہم بھی ایک ٹرین سے اترتے ہیں تو دوسری میں سوار ہوجاتے ہیں۔دوسری سے اترتے ہیں تو تیسری میں گھس جاتے ہیں۔اب تو خیر ہمیں ان ٹرینوں میں بیٹھنے کی عادت ہوگئی ہے۔ابتداء میں ان میں بیٹھتے ہوئے ڈر لگتا تھا۔اس لئے کہ یہ ٹرینیں کسی بھی اسٹیشن پر ایک منٹ سے زیادہ نہیں ٹھہرتیں۔ادھر ٹرین رکتی ہے اور ادھر ساری ٹرین کے دروازے خود بخود کھل جاتے ہیں۔ اترنے والے اتر جاتے ہیں اور ٹرین میں چڑھنے والے چڑھ جاتے ہیں اور پھر دروازے خود بخود بند ہوجاتے ہیں۔ہمیں اکثر یہ ڈر ہوتا تھا کہ اگر ہمارا ایک پاوں ڈبے میں اور دوسرا پاوں پلیٹ فارم پر ہو اور ایسے میں ڈبے کا دروازہ خود بخود بند ہوجائے تو ہمارا جو ہونا ہے سو ہوجائے گا مگر ہمارے بال بچوں کا کیا ہوگا لیکن جاپانی ٹرینیں بڑی سمجھدار ہوتی ہیں۔مسافر کا اتنا خیال رکھتی ہیں کہ سفر کرنے کا لطف ہی نہیں آتا۔ہم جب تک پوری طرح ڈبے میں داخل نہیں ہوتے تب تک ٹرین کے دروازے بند نہیں ہوتے۔ٹوکیو میں زیادہ تر ٹرینیں خانگی ریلوے کمپنیاں چلاتی ہیں۔حکومت کی طرف سے بھی ایک ٹرین چلائی جاتی ہے لیکن اس میں لوگ ذرا کم ہی بیٹھتے ہیں کیونکہ سرکاری ٹرین ہونے کی وجہ سے

www.urduacademyts.com

اس کا کرایہ دوسری ٹرینوں کے مقابلے میں زیادہ ہوتا ہے اور کارگزاری بھی کچھ ایسی ویسی ہی ہوتی ہے۔ ہر کمپنی کی ٹرین کا رنگ مختلف ہوتا ہے۔ نیلی پیلی لال ہری مٹیالی غرض ہر رنگ کی ٹرین ہوتی ہے۔ کچھ ریل گاڑیاں زمین کے اوپر چلتی ہیں اور اکثر زمین کے نیچے چلتی ہیں۔ ٹوکیو زمین کے اوپر جتنا آباد ہے اتنا ہی زمین کے نیچے آباد ہے۔ کئی بڑے اسٹیشن زمین کے نیچے آباد ہیں۔

جاپان کی ریل گاڑیاں دنیا کی ترقی یافتہ ریل گاڑیاں سمجھی جاتی ہیں۔ لیکن پھر بھی ہماری ریل گاڑیوں کا مقابلہ نہیں کرسکتیں۔ ہماری ریل گاڑیوں میں جو سہولتیں دستیاب ہیں وہ جاپانی ریل گاڑیوں میں ہرگز نہیں ہیں مثال کے طور پر ہم اپنے وطن کی گاڑیوں میں اکثر دروازے سے لگے ہوئے ڈنڈے سے لٹک کر سفر کرتے ہیں تو بڑا لطف آتا ہے۔ یہ سہولت جاپانی ریل گاڑی میں بالکل نہیں ہے۔ ہم جب بھی ٹرین کا سفر کرتے ہیں تو اپنی بش شرٹ یا پتلون ضرور پھڑوا لیتے ہیں۔ یہ سہولت بھی جاپانی ٹرین میں نہیں ہے پھر جاپانی ٹرینوں کے مسافر بھی بڑے بداخلاق ہوتے ہیں۔ کسی سے کوئی بات نہیں کرتے۔ بھلا یہ سفر کرنے کا کوئی طریقہ ہوا۔ ہم جاپانی ٹرینوں میں پچھلے ایک مہینے سے سفر کر رہے ہیں۔ کسی مسافر نے پلٹ کر یہ نہیں پوچھا میاں کہاں رہتے ہو؟ کہاں جا رہے ہو؟ بال بچے کتنے ہیں؟ کتنے بچوں کی شادیاں ہو چکی ہیں؟ آپ کے شہر میں پیاز کا کیا بھاو ہے؟ وغیرہ وغیرہ۔ جاپانی لوگ ٹرین میں سفر کرتے وقت ''مون برت'' رکھ لیتے ہیں۔ پلیٹ فارم پر کھڑے کھڑے کتابیں پڑھتے رہتے ہیں۔ ٹرین آتی ہے تو کتاب میں انگلی رکھ کر ٹرین میں گھس جاتے ہیں اور سیٹ پر بیٹھتے ہی پھر کتاب کھول کر پڑھنے میں لگ جاتے ہیں۔ ہمیں اکثر یوں محسوس ہوتا ہے جیسے ہم کسی لائبریری میں بیٹھے ہیں اور لائبریری کے نیچے پہیے لگا دیئے گئے ہیں۔ جاپانی یا تو پڑھتے ہیں یا لکھتے ہیں۔ بات بہت کم کرتے ہیں۔ انہیں کون سمجھائے کہ میاں ریل گاڑیوں میں لوگ چہرے پڑھتے ہیں۔ کتابیں نہیں پڑھتے۔ ایک دوسرے کی خیریت دریافت کرتے ہیں اور

www.urduacademyts.com

حالات حاضرہ پر تبصرہ کرتے ہیں۔ جاپانیوں کو سفر کرنا بالکل نہیں آتا۔ اس معاملے میں یہ ہم سے بہت پیچھے ہیں۔ صرف آرام دہ ریل گاڑیاں بنانے سے کچھ بھی نہیں ہوتا۔ سفر کرنے کے کچھ آداب بھی ہوتے ہیں جن سے جاپانی بالکل واقف نہیں ہیں۔ ہمیں جاپانی ریل گاڑیوں سے یہ شکایت بھی ہے کہ یہ بہت ٹھیک وقت پر چلتی ہیں۔ انتظار میں جو لذت ہوتی ہے اس کا مزہ جاپانیوں کو کیا معلوم۔ ایسے ہی کئی معاملات ہیں جن میں جاپانی ہم سے بہت پیچھے ہیں۔ آپ یقین کریں کہ ہمیں ٹوکیو میں کسی بھی اسٹیشن پر ٹرین کے لئے دو منٹ سے زیادہ انتظار نہیں کرنا پڑا۔ ایک ٹرین جاتی ہے تو دوسری اس کے پیچھے آجاتی ہے اور پھر ان کی رفتار بھی ایسی تیز کہ آدمی کا کلیجہ منہ کو آجائے۔ پتہ نہیں انہیں کہاں جانے کی جلدی ہوتی ہے۔ ہماری ریل گاڑیاں اسٹیشن میں داخل ہونے سے پہلے بیرونی سگنل کے پاس ضرور رکتی ہیں۔ سیٹیاں بجاتی ہیں اور مسافر کھڑکیوں میں سے جھانک جھانک کر سگنل کو دیکھتے ہیں۔ کتنا مزہ آتا ہے۔ لگتا ہے جاپانی ریل گاڑیوں کا کوئی سگنل ہی نہیں ہوتا بس منہ اُٹھائے کسی بھی اسٹیشن میں گھس جاتی ہیں۔

ہم نے جاپان کی بلٹ ٹرین کی شہرت بہت سنی تھی۔ اس میں بھی سفر کر کے دیکھ لیا بالکل واہیات گاڑی ہے۔ ہمیں بلٹ ٹرین میں بیٹھ کر کیوٹو جانا تھا۔ یونیسکو کے عہدیدار شنجی تاجما سے کیوٹو کا فاصلہ پوچھا۔ معلوم ہوا کہ تقریباً پانچ سو کیلومیٹر سے کچھ اوپر کا فاصلہ ہے۔ اب آدمی اتنے لمبے سفر پر جاتا ہے تو سفر کی تیاریاں بھی کرتا ہے۔ ہم نے پوچھا اتنا لمبا سفر ہے بستر بند بھی ساتھ رکھ لیں۔ شنجی تاجما نے ہنس کر کہا ''اس میں سونے کی جگہ ہی کہاں ہوتی ہے کہ آپ اپنا بستر لگا سکیں''۔

پوچھا ''راستہ میں پانی کے لئے صراحی یا لوٹا رکھ لیں؟''

تاجما نے کہا ''پانی آپ کو ٹرین میں مل جائے گا''

پوچھا ''اور توشہ دان کے بارے میں آپ کا کیا خیال ہے؟''

www.urduacademyts.com

تاجما نے کہا ''صبح ناشتہ کر کے ٹوکیو سے چلیں گے دوپہر کا کھانا کیوٹو میں کھالیں گے۔''

ہم نے کہا ''یہ کیسے ہوسکتا ہے۔ ہمارے ہاں چھ سو کیلومیٹر کے فاصلے والے سفر کے لئے کم از کم دو وقت کا کھانا، پانی بھری ہوئی ایک صراحی، ایک لوٹا ایک بستر بند اور دو تکیے رکھنا ضروری ہوتا ہے''

شنجی تاجما چونکہ ہندوستان میں ایک سال رہ چکے ہیں اور ہماری ٹرینوں میں سفر کا خاصہ لمبا تجربہ رکھتے ہیں۔ اسی لئے شرما کر بولے ''مجھے آپ کی مجبوری کا اندازہ ہے۔ ہندوستان میں سفر کرنے کا لطف ہی کچھ اور ہے۔ مجھے ایک بار آپ کی ٹرین میں چالیس گھنٹوں تک بیٹھنے کا اتفاق ہوا تھا۔ ان چالیس گھنٹوں میں میرے ساتھی مسافر کی دو صراحیاں ٹوٹی تھیں اور سارے ڈبے میں جل تھل ہوگیا تھا۔ ہر اسٹیشن پر اتر کر لوٹوں میں پانی بھرنے کا مزہ ہی کچھ اور ہوتا ہے۔ ہماری ٹرینوں میں یہ سہولت نہیں ہوتی۔''

ہمیں بتایا گیا تھا کہ کیوٹو جانے کے لئے ٹوکیو سنٹرل اسٹیشن سے بلٹ ٹرین ٹھیک آٹھ بج کر اکتالیس منٹ پر نکلے گی۔ ہم نے سوچا یہ صرف ایک دھونس ہے جو ہم پر جمائی جارہی ہے۔ بھلا کونسی ٹرین وقت پر چلتی ہے۔ ہم ٹوکیو سنٹرل اسٹیشن پر پہنچے تو ساڑھے آٹھ بج چکے تھے اور بلٹ ٹرین کا دور دور تک کوئی پتہ نہ تھا۔ ہم نے تاجما کو چھیڑنے کے انداز میں کہا ''حضرت وہ جو بلٹ ٹرین ۸ بج کر ۴۱ منٹ پر چلنے والی تھی وہ کہاں ہے؟''

تاجما نے کہا بس آتی ہی ہوگی۔ ٹھیک آٹھ بج کر پینتیس منٹ پر بلٹ ٹرین پلیٹ فارم پر نمودار ہوئی۔ اس کا انجن طیارے کی شکل کا ہوتا ہے۔ دیکھنے میں بہت خوبصورت ہوتی ہے۔ اس میں سولہ ڈبے لگے ہوتے ہیں۔ ساری ٹرین ایر کنڈیشنڈ ہوتی ہے ہم ٹرین میں داخل ہوئے تو یوں لگا جیسے ہم طیارے میں پہنچ گئے ہیں۔ نشستوں کا انتظام بھی اسی طرح کا ہوتا ہے۔ یہ ٹرن ہانشو جزیرے میں واقع ٹوکیو سے کیوشو میں واقع ہکاتا تک ایک ہزار ستر کیلومیٹر کا فاصلہ تقریباً چھ گھنٹوں

www.urduacademyts.com

میں طئے کرتی ہے۔ یہ دنیا کی سب سے تیز رفتار ٹرین سمجھی جاتی ہے کیوں کہ یہ ایک گھنٹہ میں ۲۱۰ کیلو میٹر کا فاصلہ طے کرتی ہے۔

ہم ٹرین میں بیٹھے اپنی گھڑی کو دیکھ رہے تھے کہ ٹھیک آٹھ بج کر اکتالیس منٹ پر ٹرین گولی کی طرح اسٹیشن سے نکلی۔ تب ہمیں یقین آیا کہ اس ٹرین کو بلٹ ٹرین کیوں کہتے ہیں۔ دلچسپ بات یہ ہے کہ سب سے بڑی خوبی ان کی پابندی وقت ہے۔ ہمیں بتایا گیا کہ اگر کبھی ٹرین دس منٹ لیٹ ہو جائے تو مسافروں کو سارا کرایہ واپس کر دیا جاتا ہے۔ ان ٹرینوں میں آٹو میٹک کنٹرول ہوتا ہے۔ کبھی ٹرین کی رفتار تیز ہو جائے تو ٹرین کو خود بخود بریک لگ جاتے ہیں۔ جاپان میں زلزلے بہت آتے ہیں۔ جیسے ہی زلزلہ آتا ہے ٹرین خود بخود رک جاتی ہے۔ پٹریوں کی سلامتی کے بارے میں سگنل بھی سیکنڈوں میں ملتے ہیں۔ ہر ٹرین کا ٹیلی فونی ربط ایک دوسرے سے اور ساری ٹرینوں کا ربط ٹوکیو کے سنٹرل اسٹیشن سے ہوتا ہے۔ بلٹ ٹرین سے سفر کر کے ہمیں اس بات کا دکھ ہوا کہ اس میں دھکے نہیں لگتے۔ ٹرین کے چلنے کی آواز بھی اندر سنائی نہیں دیتی۔ دھکے نہ لگنے اور آواز نہ آنے کے باعث اس کی رفتار کا صحیح اندازہ نہیں ہو سکتا۔ ہمیں بھی اس کی رفتار کے بارے میں شبہ ہو گیا تھا۔ ہمارے دوست نے ہمیں ڈائننگ کار میں لے جا کر ٹرین کا میٹر دکھایا۔ سچ مچ ٹرین ۲۱۰ کیلو میٹر کی رفتار سے چل رہی تھی۔

صاحبو! اگر آپ کو بلٹ ٹرین کے ذریعے ٹوکیو سے کیوٹو جانے کا موقع ملے تو اپنے دل پہ قابو رکھئے۔ اس لئے کہ جاپان کا قدرتی حسن آپ کو مسحور کر دے گا بائیں طرف سمندر آپ کے ساتھ ساتھ چلے گا۔ چھوٹے چھوٹے جزیرے نظر آئیں گے اور دائیں طرف فیوجی پہاڑ نظر آتا رہے گا جو وقفہ وقفہ سے بڑا ہوتا جائے گا۔ ٹرین میں سے فیوجی پہاڑ کا نظارہ خود حیران کر دینے والا ہوتا ہے۔ آپ کو ناگویا کا شہر بھی ملے گا جو جاپان کا چوتھا بڑا شہر ہے۔ ناگویا کا قلعہ بڑی شہرت رکھتا ہے جو دوسری

www.urduacademyts.com

جنگ عظیم میں برباد ہو گیا تھا۔ اسے ۱۹۵۹ء میں دوبارہ تعمیر کیا گیا۔ تین گھنٹوں کے سفر میں ہم نے جاپان کا جو حسن دیکھا وہ زندگی بھر ہمارے دل پر نقش رہے گا۔ خدا کرے یہ ہمیشہ ہماری یادداشت کا ایک اثاثہ بنا رہے۔ دوسری جنگ عظیم بھی یاد آئی جس میں اس قدرتی حسن پر بمباری کی گئی تھی۔ ان ہی جگہوں پر کہیں آگ اور بربادی کا ناٹک کھیلا گیا ہوگا پھر ہیروشیما بھی تو یہاں سے پاس ہے۔ انسان جب از سر نو جینے کا اہتمام کرتا ہے تو بربادیوں کے نشان خود بخود مٹ جاتے ہیں۔

بلٹ ٹرین میں ٹیلیفون کی سہولت بھی ہوتی ہے چنانچہ بلٹ ٹرین میں سفر کرتے کرتے ہم نے اوساکا کو فون کیا اور اردو کے استاد مسٹر اسادہ کو یہ مژدہ سنایا کہ ہم کیوٹو آ رہے ہیں۔ ٹرین میں وقفہ وقفہ سے اعلانات ہوتے رہے کہ باہر کا موسم ایسا ہے۔ ہم اتنا فاصلہ طے کر چکے ہیں۔ اب فلاں اسٹیشن آنے والا ہے وغیرہ وغیرہ۔

تقریباً پونے تین گھنٹوں بعد جب ہم کیوٹو پہنچے اور گھڑی دیکھی تو پتہ چلا کہ گاڑی کے پہنچنے کے وقت میں آدھے منٹ کا بھی فرق نہیں ہے۔ ٹوکیو میں بھی ہمیں ایک بار ایک ٹرین سے سگاموا اسٹیشن جانا تھا اپنے ایک دوست سے ملنے کے لئے۔ اسٹیشنوں کے نام جاپانی میں لکھے ہوتے ہیں۔ کہیں کہیں انگریزی میں بھی نام لکھے جاتے ہیں چونکہ ہم اکیلے سفر کر رہے تھے۔ اس لئے ایک صاحب سے سگاموا اسٹیشن کی پہچان پوچھی۔ ان صاحب نے کہا ۱۱ بج کر ۳۷ منٹ پر جو بھی اسٹیشن آئے اس پر اتر جائیے۔ وہ سگاموا اسٹیشن ہی ہوگا اور ہم ٹھیک ۱۱ بج کر ۳۷ منٹ پر سگاموا اسٹیشن پر موجود تھے۔

بلٹ ٹرین سے اترنے کے بعد ہمارے دوست شنجی تاجما نے پوچھا ''آپ کا سفر کیسا رہا؟

''ہم نے کہا ''مسٹر تاجما آپ ہندوستان کی ٹرینوں میں سفر کر چکے ہیں۔ ہماری ٹرینوں میں جو سہولتیں ہوتی ہیں وہ آپ کے ہاں کہاں۔ وہ سفر ہی کیا جس میں آدمی کو دھکا نہ لگے۔ ہم نے تین گھنٹے آپ کی ٹرین میں سفر کیا۔ کسی نے ہمارے سر پر صندوق نہیں رکھا۔ کسی کا ہولڈال ہمارے پاؤں پر نہیں

www.urduacademyts.com

گرا۔ کسی مسافر نے نشست کے لئے دوسرے مسافر سے لڑائی نہیں کی اور پھر وہ ہر اسٹیشن پر چائے لے لو چائے لو، پان بیڑی سگریٹ والی مانوس آوازیں نہیں سنائی دیں۔ بھلا یہ کوئی ٹرین کا سفر ہے۔"

تاجما نے شرم کے مارے نظر نیچی کر لیں بولے "آپ ٹھیک کہتے ہیں۔ ہمیں آپ سے بہت کچھ سیکھنا ہے۔ یوں بھی جاپان اور ہندوستان کا کیا مقابلہ۔ ہمارا ملک چھوٹا ہے اور آپ کا ملک عظیم" اور تاجما کی یہ بات سن کر ہمارا سر فخر سے اونچا ہو گیا۔

لہٰذا صاحبو! کبھی جاپان جاؤ تو بلٹ ٹرین میں بالکل نہ بیٹھو۔ بڑی واہیات ٹرین ہے۔ بلٹ ٹرین میں بیٹھنے سے بہتر یہی ہے کہ آدمی ہوائی جہاز میں بیٹھ جائے۔

☆☆☆

www.urduacademyts.com

اظہر افسر

اظہر افسر طالب علمی کے زمانے ہی سے ریڈیو اور اخبارات کے لیے ڈرامے اور کہانیاں لکھتے رہے ہیں۔ انھوں نے کئی روزنامے اور ہفتہ وار بھی جاری کیے جن میں نیا سنسار اور بچّوں کی دنیا بہت مقبول ہوئے۔ وہ ریڈیو اور اسٹیج کے لیے بے شمار ڈرامے لکھ چکے ہیں۔ ان کے ڈراموں کے مجموعوں میں سانولی، بھول ہی بھول اور موج در موج قابلِ ذکر ہیں۔ وہ ۱۹۵۹ء سے آل انڈیا ریڈیو حیدرآباد سے منسلک ہوئے اور مدت ملازمت کی تکمیل پر وظیفہ حسنِ خدمت پر سبک دوش ہوئے۔

ڈراما ''بکھرے پھول'' قومی یکجہتی کے موضوع پر ایک سبق آموز تخلیق ہے۔ اس میں مصنّف نے نہ صرف علاقہ پرستی کے رجحان اور مذہبی تعصّب کی مذمّت کی ہے بلکہ موجودہ بے روزگاری کے مسئلے کے حل کی طرف بھی رہنمائی کی ہے۔ ہم بھارت کے رہنے والے ایک گھر کے بھائیوں کی طرح ہیں۔ اس ڈرامے کی ایک تکنیکی خصوصیت یہ ہے کہ اسٹیج کو دو حصوں میں تقسیم کر کے محض روشنی کے استعمال سے منظر تبدیل کیا جا سکتا ہے تا کہ مختصر ڈرامے کی رفتار میں رکاوٹ نہ پیدا ہو۔

☆☆☆

www.urduacademyts.com

بکھرے پھول

کردار: عبید چاچا۔ منوہر مصرا۔ نوازش۔ چپراسی۔ حاجی عبدالقیوم

منظر کے دو حصّے ہیں۔ داہنی جانب والا حصّہ' پردہ اٹھتا ہے تو روشن ہو جاتا ہے۔ چلمن کے سامنے ایک چوبی اسٹول ہے۔ اسٹول پر چپراسی سفید صافہ باندھے، سفید موٹے کپڑے کی شیروانی پہنے بیٹھا ہے۔ داہنی طرف سے عُبید چاچا اور ان کا بھتیجہ نوازش اوپر نیچے دیکھتے ہوئے داخل ہوتے ہیں۔

عُبید : اہاہاہا! کیا عمدہ عمارت ہے۔ واہ واہ۔ ہاں کیا نام بتایا تھا تم نے اس دفتر کے بڑے صاحب کا؟

نوازش : جی مصرا صاحب۔

عُبید : پورا نام پوچھ رہا ہوں میاں میں اُن کا۔

نوازش : جی' ایم۔ ایل۔ مصرا اور سی پی میرا مطلب ہے یو پی کے رہنے والے ہیں۔ میں نے بالکل صحیح پتہ لگایا ہے۔

عُبید : یو پی کا ہے تو وہی مصرا ہے۔ تمہیں یاد نہیں۔ یہ تمہاری شادی میں بھی شرکت کر چکے ہیں۔

نوازش : میری شادی میں۔

عُبید : ہاں بھئی تمہاری شادی میں اور کیا میری شادی میں۔ تمہاری شادی کے وقت وہ اپنے گھر کوئی سات سال بعد لوٹ کر آئے تھے۔

www.urduacademyts.com

نوازش : سات سال بعد۔۔۔۔۔؟

عُبید : ہاہا۔تم نہیں سمجھو گے' جوانی کے جوش میں یہ آج سے دس سال پہلے اپنے ماں باپ سے روٹھ کر چلے گئے تھے۔ بنواری لال ان کے پِتا ،واہ واہ' بڑی خوبیوں کے آدمی تھے۔اپنے بیٹے کی رنگ رلیوں کو دیکھتے رہے دیکھتے رہے اور ایک دن جو سنک آئی تو کھڑے کھڑے گھر سے نکال باہر کیا۔ بیچارے مرے بھی تو اسی منوہر کے غم میں۔ خیر خیر آؤ۔ کبھی مِل چکے ہو مصرا سے یہاں آ کر؟

نوازش : جی نہیں ملا تو نہیں' ہاں دور سے ایک مرتبہ دیکھا ہے۔

عُبید : مونچھیں صفا چٹ ہیں نا؟

نوازش : جی نہیں،ان کی تو بڑی بڑی مونچھیں ہیں۔

عُبید : اب رکھ لی ہوں گی۔کوٹ پہنتے ہیں۔

نوازش : وہ۔وہ۔

عُبید : میں پوچھ رہا ہوں پُرانی وضع کا لمبا کوٹ پہنتے ہیں۔وہ وہ کیا کر رہے ہو؟

نوازش : جی ہاں شاید۔

عُبید : (کھینچ کر) شاید۔واہ واہ' کیا دماغ ہیں آج کل کے نوجوانوں کے۔اتنا تک یاد نہیں کہ جس کو آپ نے دیکھا ہے' جس شخص سے آپ کا واسطہ پڑنے والا ہے اس نے کوٹ پہنا تھا یا شیروانی۔

نوازش : میں سمجھتا ہوں کوٹ ہی ہوگا' لیکن اتنا بڑا' میرا مطلب ہے،لمبا نہیں تھا، جتنا آپ سمجھ رہے ہیں۔

عُبید : مُیاں گھر جا کر تھوڑے سے بھلاویں اور لہسن اُتروالینا۔شکر ہے اتنا بھی یاد رہ گیا۔

www.urduacademyts.com

نوازش : (چلمن کی طرف اشارہ کرتے ہوئے) مصرا صاحب کا کمرہ۔

عُبید : (چپراسی سے) کیوں بھئی تمہارے بڑے صاحب کا نام کیا ہے؟

چپراسی : صاحب پورا نام تو پتہ نہیں، سب مصرا صاحب مصرا صاحب کہتے ہیں۔

عُبید : اُتر پردیش کے ہیں نا؟۔ارے میاں منہ کیا دیکھ رہے ہو۔

چپراسی : صاحب یہ تو ٹھیک ٹھیک پتہ نہیں کہ کس پردیش کے ہیں لیکن ہیں ہندوستانی۔

عُبید : (لمبا سانس لیتا ہے) اچھا ذرا اندر جا کر خبر کرو کہ فیض آباد سے مولوی عُبید الرحمان آیا ہے یا صرف مولوی ہی کہہ دینا وہ پہچان جائیں گے۔

چپراسی : یہ لیجیے اس کاغذ کے پُرزے پر لکھ دیجیے۔

عُبید : میاں لو اس پُرزے پر ذرا مولوی لکھ دو اور ہاں یو پی بھی لکھ دینا۔بس بس۔اور کیا گھسیٹے جا رہے ہو۔ دو لفظ لکھنے کے لیے اتنی دیر۔لاؤ کاغذ ۔۔۔۔۔۔لو بھئی اسے ذرا اندر پہنچا دو۔کوئی ہے تو نہیں اندر۔

چپراسی : اندر تو کوئی نہیں ہے، مگر صاحب مصروف ہیں۔(اتنا کہہ کر ایک طرف چلا جاتا ہے)

عُبید : یہ تو پُرزہ لے کر اس طرف جا رہا ہے۔

نوازش : جی ہاں۔

عبید : جی ہاں کیا۔ارے بھئی اپنی جگہ سے سرکو تو، دیکھا اِدھر سے اُدھر پھر رہا ہے اور ہماری چٹھی اندر لے جا کر نہیں دیتا۔

نوازش : لیجیے وہ آ رہا ہے۔

عبید : (چپراسی قریب آتا ہے تو) کیوں میاں ہم نے تمہارا کیا بگاڑا ہے، تم ادھر سے اُدھر پھر رہے ہو، ہماری اطلاع صاحب سے کیوں نہیں کرتے۔

www.urduacademyts.com

چپراسی : صاحب میں نے ابھی آپ سے کہا نا کہ بڑے صاحب مصروف ہیں اور پھر مجھے اور بھی تو دوسرے کام ہیں۔ دم بھر کو ٹھہر جایئے۔ میں ابھی اطلاع کرتا ہوں۔

عبید : پکّے دکھنی معلوم ہوتے ہو۔ آندھرا پردیش کے ہونا۔

چپراسی : ''جی نہیں' آپ کو بھول ہو رہی ہے۔

عبید : بھول؟ پھر کہاں کے رہنے والے ہو؟

چپراسی : جی مرادآباد کا۔

عبید : بھئی تم تو ہمارے ہی وطن کے نکلے جب ہی تو میں کہوں کہ تمہاری چال ڈھال' ایک ایک حرکت سے یوپی پن برس رہا ہے۔ (چلمن کے اندر سے گھنٹی بجتی ہے)

چپراسی : یس سر! (چلمن کے اندر چلا جاتا ہے)

مِصرا : (چلمن کے اندر سے آواز سُنائی دیتی ہے) یہ لیٹرور ما صاحب کی میز پر رکھ دو اور یہ بنڈل بھی۔ اور سُنو' ور ما صاحب سے کہو کہ پچھلے دو دونوں کے آرڈر کا مال جو چھٹیوں کی وجہ سے بھیجا نہیں جا سکا ہے فوراً روانہ کر دیں۔

چپراسی : (اندر ہی سے) صاحب کوئی بوڑھا آدمی آپ سے ملنا چاہتا ہے' ساتھ کوئی نوجوان بھی ہے۔

مِصرا : بھیج دو اندر اور ذرا اس طرف کا پنکھا بھی چلا دو۔ (چپراسی چلمن اُٹھا کر باہر نکلتا ہے)

چپراسی : جایئے صاحب آپ کو بڑے صاحب یاد کرتے ہیں۔

عبید : دیکھا ہم نہ کہتے تھے' نام دیکھتے ہی پہچان جائیں گے تمہارے بڑے صاحب!

چپراسی : صاحب میں آپ کی چٹھی تو دکھانا ہی بھول گیا۔

عبید : خیر کوئی بات نہیں۔ آؤ میاں نوازش چلیں۔

www.urduacademyts.com

(عبید اور نوازش چلمن اُٹھا کر اندر داخل ہوتے ہیں تو اسٹیج کا داہنی جانب والا حصّہ تاریک ہوجاتا ہے۔ اور بائیں حصّے میں منوہر مصرا ایک بڑی سی میز کے اس طرف نظر آتا ہے۔ آس پاس کرسیاں بھی رکھی ہیں۔)

مِصرا : (عبید کو دیکھ کر) اوہ عبید چاچا آپ' آداب عرض ہے۔ آیئے آیئے۔

عبید : جیتے رہو بیٹے جیتے رہو۔

نوازش : آداب عرض ہے۔

مِصرا : آداب عرض ہے، تشریف رکھیے۔

عبید : پہنچانا نہیں اِنھیں؟

مصرا : جی۔

عبید : ہاں نہیں پہچانا۔ بھئی کوشش کرو۔ بات دو تین سال کی ہے' ایسا بھی کیا۔

مِصرا : میں سمجھتا ہوں کسی پوسٹ آفس میں؟

عبید : (بُرا منھ بنا کر) پوسٹ آفس میں؟

مِصرا : یا شاید ریلوے اسٹیشن پر آپ کا کینٹین ہے۔

عبید : کیسی باتیں کر رہے ہو بھائی، تم تو شادی میں مل چکے ہو۔

مِصرا : شادی میں؟ کِس کی شادی میں؟

عبید : (خاص انداز سے ہنستا ہے) اجی اِن ہی صاحب زادے کی شادی میں اور کس کی شادی میں، میری یا آپ کی؟ ایں؟ اب بھی نہیں پہچانا۔ اوہ' شاید سہرے کی وجہ سے ٹھیک طرح سے شکل یاد نہیں رہی۔

مِصرا : جی۔ جی ہاں۔ کچھ ایسا ہی ہے۔

www.urduacademyts.com

عبید : (پھر اسی انداز سے ہنستا ہے) بھئی یہ میرے چھوٹے داماد ہیں۔

مِصرا : اوہ۔ہاں۔ہاں۔شاید۔جی ہاں۔

عبید : شاید کیا یقیناً۔

مِصرا : جی اور فرمایئے' کہاں ٹھہرے ہیں آپ؟

عبید : یہیں ہوں' انہی کے پاس، کوئی دس مہینے سے۔ پرسوں میاں سے معلوم ہوا کہ تمہارا پلاسٹک کا سامان خوب چل نکلا ہے اور تم نے اپنا کافی کاروبار بڑھالیا ہے۔

مِصرا : جی ہاں' سب آپ بزرگوں کی دُعاؤں کا نتیجہ ہے۔ کہیے جناب آپ ابھی پڑھ رہے ہیں؟

نوازش : اوہ.....آ.....

عبید : (نوازش کو بولنے نہیں دیتا) پڑھائی تو ماشاالله انھوں نے ختم کردی ہے' اب بس ملازمت کی تلاش ہے۔

مِصرا : خوب۔کہیں کوشش کی؟

عبید : صاحب بہتری جگہ کوششیں کیں۔ یہ پوچھیے کہاں نہیں کی۔ ہر دفتر میں۔ ہر محکمے میں۔لیکن ہر جگہ بس ایک ہی جواب ہے، وہ کیا کہتے ہیں میاں؟

نوازش : جی۔نو ویکینسی۔

مِصرا : ہاں یہ تو ہے۔

عبید : اور اب' میں خاص مقصد کے تحت آپ کے پاس مَیں اور یہ آئے ہیں وہ بھی یہی ہے کہ.....

مِصرا : فرمایئے۔

www.urduacademyts.com

عبید : صاحب وہ جو کہتے ہیں' دیواروں کے بھی کان ہوتے ہیں۔لایئے میں محکمے کا نام اس کاغذ پر لکھ دوں۔ باوثوق ذرائع سے علم ہوا ہے کہ ایک جائداد اس محکمے میں ابھی ابھی خالی ہوئی ہے۔(کاغذ پر لکھتا جاتا ہے) بڑا ہی کرم ہوگا اگر ان صاحب زادے کو آپ یہ جائداد دے دیں۔

مِصرا : میں۔میں۔دے دوں۔اس محکمے سے میرا کیا تعلق ہے؟

عبید : جی ہاں جی ہاں' بالکل درست فرمایا آپ نے' لیکن ترپاٹھی جی جو اس محکمے کے ایک نہایت ذمہّ دار عہدہ دار ہیں' انہی کے اختیار میں اس جائداد کا تقرر بھی ہے اور ہمارے آپ کے وطن فیض آباد کے رہنے والے ہیں۔

مِصرا : ترپاٹھی جی یوپی کے رہنے والے ہیں؟

عبید : جی' اور ہم نے پتہ اٹھایا ہے کہ وہ آپ کے نہایت قریبی دوست ہیں۔

مِصرا : سنیے عبید چاچا آپ میرے بزرگ ہیں لیکن میں کبھی آپ سے کسی ایسی بات کے لیے نہیں کہوں گا جو اصول اور راستی کے خلاف ہو۔

عبید : خیر تم اُٹھو تو، ٹیکسی نیچے کھڑی ہے' دو منٹ کے لیے چل کر ترپاٹھی سے مِل لو۔

مِصرا : چاچا آپ کیسی بات کر رہے ہیں۔

عبید : ارے بھئی کیسی باتیں کیا۔بس دو منٹ کے لیے چلتے ہیں اپنے وطن والے بھائی سے مل کر ابھی آجاتے ہیں۔(اُٹھ کھڑا ہوتا ہے)

مِصرا : بیٹھیے بیٹھیے۔میں ترپاٹھی سے کہوں کیا؟

عبید : صِرف اتنا کہ خادم زادہ آپ ہی کے وطن مالوف کا رہنے والا ہے' بس اس کا خیال رکھیں۔

www.urduacademyts.com

مِصرا : اور بھی تو اُمیدوار ہوں گے۔

عبید : ارے صاحب غضب خدا کا، اس ایک جائداد کے لیے کوئی چونسٹھ درخواستیں آئی ہیں۔ لیکن میاں گریجویٹ بھی ہیں، تعلیم یافتہ ہیں، دوسرے اُمیدواروں سے کسی حیثیت سے کم نہیں ہیں۔ آپ ان سے یہ کہہ دیں کہ.....

مِصرا : کہ ترسٹھ ریجکٹ کر کے میاں کو سِلکٹ کر لیں۔

عبید : بالکل بالکل۔ تم نے میرے منھ کی بات چھین لی۔ وہ تمہاری بات نہیں ٹالیں گے۔

مِصرا : یہ تو میں نہیں کہہ سکتا کہ وہ میری بات ٹالیں گے یا نہیں۔ لیکن چاچا میں ترپاٹھی کی دوستی کو کسی ملازمت کی سفارش کے لیے استعمال نہیں کر سکتا اور نہ وطنیت کے جذبے کو کسی خود غرضی کے لیے ہی برت سکتا ہوں۔

عبید : یہ تم کہہ رہے ہو مِصرا۔

مِصرا : چاچا بُرا نہ مانیے۔ نوازش کے ساتھ ترسٹھ اور اُمیدواروں نے اپنی درخواستیں دے رکھی ہیں۔ محکمے ہی کے مجاز عہدہ داروں پر چھوڑ دیجیے کہ وہ موزوں ترین اُمیدوار کو چن لیں۔

عبید : اس کا مطلب یہ ہے کہ اس ساتویں اور آخری ملازمت کی اُمید سے بھی ہاتھ دھو لیے جائیں۔

مِصرا : چاچا میرا تو دِلی مشورہ آپ کے داماد کے لیے یہ ہے کہ اگر سرکاری ملازمت زبان، علاقہ، وطن یا صوبوں کو نظر میں رکھ کر حاصل کرنی ہو تو.....

عبید : تو؟

مِصرا : ملازمت کا خیال ہی ترک کر دیں۔

www.urduacademyts.com

عبید : اور میاں عمر بھر بے روزگاری میں گزار دیں۔ آپ نہیں جانتے کہ میں اپنے داماد کو کس قدر دلاسے دینے اور ہمت بندھانے کے بعد تیار کر کے یہاں لایا تھا۔

مِصرا : روزگار کے لیے تو چاچا سرکاری ملازمت کا مِل جانا ہی کوئی حل نہیں۔ کالج یا یونیورسٹیز کی ڈگریاں تو صرف اس بات کی ضامن ہیں کہ آپ نے کچھ حاصل کیا ہے اس سے اپنے لیے بہتر روزگار کا ذریعہ تلاش کرلیں نہ کہ سرکاری ملازمت ہی نصب العین اور آخری منزل بن جائے۔ کاروبار سے بھی تو روزگار پیدا کیا جاسکتا ہے۔

عبید : ہاں بھئی بزنس اور کاروبار کے لیے ہمارے ہاں خزانے جو گڑے ہوئے ہیں۔

مِصرا : یہ کیا ضروری ہے کہ آپ کافی سرمایہ لگا کر ہی بزنس کریں۔ چھوٹے موٹے کاروبار سے بھی تو آدمی ترقی کرسکتا ہے۔ بغیر کسی ہچکچاہٹ یا شرمندگی کے چھوٹے سے چھوٹے اور کم سرمائے ہی سے کام شروع کیجیے۔ ایک روز وہی آپ کی دلچسپی اور محنت کے باعث ایک بڑے کاروبار کی شکل میں بدل جائے گا۔ ایک آسان بزنس تو میں بھی بتا سکتا ہوں۔

نوازش : مجھ سے فرمایئے۔

مِصرا : اور جہاں تک بن پڑے میں اس کے لیے آپ کی مدد بھی کرسکتا ہوں، شرط یہی ہے کہ آپ تیار ہو جائیں۔

نوازش : آپ بتایئے تو۔

مِصرا : ردّی کا بزنس کیجیے۔

عبید : جی کیا فرمایا' ردّی کا؟

www.urduacademyts.com

مِصرا : جی ہاں ردّی کا۔ بیکار کاغذ کا۔ خود میں اپنی اس فرم سے کئی من ردّی دلوا سکتا ہوں۔ پھر آپ گھوم پھر کر دوسرے دفتروں سے بھی حاصل کر سکتے ہیں۔

عبید : یعنی۔ یعنی۔ میرا داماد اب ردّی بیچے گا۔ مِصرا یہ تم کیا کہہ رہے ہو۔ میں اب تم سے کیا کہوں۔ تمہارا خون سفید ہو گیا ہے۔ تم میں اپنے وطن کی پاسداری بھی باقی نہیں رہی ہے۔

مِصرا : ردّی جسے آپ حقیر سمجھ رہے ہیں، آج کئی آدمی اس بزنس سے ماہانہ سیکڑوں روپے کما رہے ہیں۔

عبید : کماتے ہوں گے جی۔ ہُنھ۔ خوب اپنا پن اور حقِ وطن ادا کیا۔ بخدا ساری اُمیدوں پر پانی پھیر دیا۔ میاں تم اُٹھتے ہو یا میں جاؤں۔

مِصرا : آپ تشریف تو رکھیے چاچا۔

عبید : بس بس بہت ہو چکا۔

مصرا : نوازش تم تو ٹھہرو گے نا۔

عبید : ہاں صاحب انھیں سمجھایئے۔ مجھے تو چھٹّی دیجیے۔ خدا حافظ۔

(جھٹکے سے چلمن اُٹھا کر باہر چلا جاتا ہے)

(نوازش عبید کو دیکھ رہا ہے)

مِصرا : تم بھی جانا چاہتے ہو کیا؟

نوازش : (گھوم کر) جی نہیں۔ اگر آپ کا وقت خراب نہ ہو تو میں چاہتا ہوں کہ کچھ دیر آپ سے باتیں کروں۔

مِصرا : خود میں بھی یہی چاہتا تھا کہ تم سے کچھ باتیں کروں۔ تم جوان ہو، تعلیم یافتہ ہو،

www.urduacademyts.com

میرا تو پر خلوص مشورہ یہی ہے کہ تم اپنی ملازمت کے لیے وہ رویہّ اختیار نہ کرو جیسا عبید چاچا یا ان جیسے ہمارے دیس کے کچھ لوگوں کا ہو جاتا ہے۔

نوازش : (دونوں ہاتھوں سے سر تھام کر) سمجھ میں نہیں آتا میں کیا کروں۔

مِصرا : بزنس کرو، تجارت کرو۔ آج تم میرے اس پھیلے ہوئے کاروبار کو دیکھ رہے ہو، اِس آفس میں ستّر آدمی کام کرتے ہیں لیکن آج سے دس سال پہلے میں اپنے گھر سے صِرف ایک قمیض، پتلون اور معمولی چپل پہن کر نکل کھڑا ہوا تھا۔ پتا جی کے یہ الفاظ کہ غیرت مند ہو تو آج سے عہد کرو کہ جو کچھ کرو گے، باپ کے بجائے اپنے بل بوتے پر کرو گے۔ خود روزگار کی تلاش کرو گے خود کماؤ گے تب لٹاؤ گے، میرے کانوں میں بہت دیر تک گونجتے رہے اور جانے کیا خیال آیا کہ میں.....

نوازش : کہ آپ؟

مِصرا : میں اسی وقت گھر سے نکل کھڑا ہوا۔ یہ عہد کر کے کہ میں اس وقت تک باپ کو شکل نہیں دکھاؤں گا جب تک اپنے بل بوتے پر خود روزگار پیدا کرنے کے لائق نہیں ہو جاؤں گا۔۔۔ میں نے اس رات اپنی چار سو روپے کی رسٹ واچ اور تین سو روپے کی انگوٹھی صرف دو سو روپے میں سب سے پہلی دکان پر فروخت کر دی اور اس شہر کا رُخ کیا جہاں ہم تم بیٹھے باتیں کر رہے ہیں۔

نوازش : جی۔

مصرا : ٹرین سے اُترا تو نہ یہاں مجھے کوئی جانتا تھا اور نہ میں کسی کو پہچانتا تھا۔ اسٹیشن سے بالکل سامنے مُسافر خانے میں آٹھ آنے کرائے سے ایک کمرہ لیا۔ یہ مسافر خانہ کیا تھا اچھا خاصا بھنگڑ خانہ تھا۔ بھانت بھانت اور قسم قسم

www.urduacademyts.com

کے لوگ اس مسافر خانے کے کمروں میں مقیم تھے۔ کوئی بنگالی' کوئی پنجابی' کوئی مدراسی' کوئی ملیالی' کوئی اُتری' کوئی دکھنی۔ ایک کی بات دوسرا نہ سمجھ سکتا۔

نوازش : پھر۔ پھر کیا ہوا۔

مِصرا : میں بے یار و مددگار' لاچار مجبور گھنٹوں مسافر خانے کے کمرے میں تنہا بیٹھا سوچا کرتا۔ خدایا وہ ہندوستانی کہاں ہے جس کو ہم نے دو سو سالہ غلامی کی زنجیروں کو توڑ کر حاصل کیا ہے' وہ ہندوستانی کہاں ہے جو نہ ہندو ہے' نہ مسلمان ہے' نہ سکھ ہے' نہ عیسائی۔ وہ کہاں ہے؟ وہ کس دیش کا باشندہ ہے کہ اچانک ایک مسلمان شخص جو معمولی شیروانی اور سفید پاجامہ پہنے تھا میرے کمرے کے دروازے پر آ کھڑا ہوا۔

(اچانک پھر دائیں جانب والا اسٹیج کا حصّہ روشن ہو جاتا ہے اور بائیں جانب والا حصّہ تاریک۔ دائیں جانب ایک چھوٹا مسافر خانے کا کمرہ ہے جس کے فرش پر شطرنجی بچھی ہے اور مِصرا سر جھکائے بیٹھا ہے۔ دروازے میں حاجی عبدالقیوم کھڑا ہے۔)

عبدالقیوم : یوں کمرے میں اکیلے بیٹھ کر سوچنے سے کچھ نہیں ہوگا۔

مِصرا : آپ؟

عبدالقیوم : میں حاجی عبدالقیوم ہوں۔ ہوں تو ایک مدراسی مسلمان مگر میں بھی وہی سوچتا ہوں اور سمجھتا ہوں جو تم اس وقت سوچ رہے ہو۔ یہ مُسافر خانہ بھنگڑ خانہ ہے یہ مسافر خانہ اس لیے بھنگڑ خانہ بنا ہوا ہے کہ ہر ایک زبان' رنگ' مذہب' نسل اور علاقوں کو سامنے رکھ کر سوچتا ہے۔ خدا وہ دن نہ لائے کہ ہمارے سارے ملک کی بھی یہی صورت ہو جائے۔ میرے ساتھ آؤ۔

www.urduacademyts.com

مِصرا : میں؟

عبدالقیوم : ہاں میرے ساتھ آؤ۔ کئی دنوں سے میں تمہیں دیکھ رہا ہوں۔ میں تمہیں روزگار ہی نہیں دوں گا' گھر بھی دوں گا لیکن ہمیں نہ صرف آپس میں بلکہ سارے ملک سے اس نفرت اور تفریق کے بیج کو مٹانا ہے جو آزادی کے بعد ایک نیا رنگ لے رہا ہے اگر آج ملک کو کسی چیز کی ضرورت ہے تو وہ ہے اتحاد اور قومی یکجہتی۔

مِصرا : آپ مجھے روزگار دیں گے؟

عبدالقیوم : ہاں۔ ہاں۔ میری ایک چھوٹی سی فرم ہے جو پلاسٹک کا سامان تیار کرتی ہے۔ طرح طرح کا سامان۔ بیگ' بٹوے' رین کوٹ اور چھتریوں سے لے کر رنگ برنگے پھولوں تک اور.....

مِصرا : اور.....

عبدالقیوم : اور مجھے اپنے اس سامان کی نکاسی کے لیے ایک سچّے اور محنتی آدمی کی ضرورت ہے۔ مال گودام میں پڑا ہے لیکن آرڈر نہیں کہ ان کی کھپت ہو سکے۔

مِصرا : لیکن میں کیسے.....

عبدالقیوم : وہ میں سب کچھ سکھاؤں گا۔ بیوپاریوں سے ملنے؟ بات چیت کرنے اور نکاسی کیلئے کینوسنگ کے سارے گُر تمہیں سکھادوں گا۔ بس یہ سمجھو کہ میں ایک مسلمان ہوں اور مدراس کا رہنے والا ہوں۔

مِصرا : یہ آپ کیا فرما رہے ہیں؛ ہم کوئی ہوں' کہیں کے ہوں لیکن آپس میں بھائی بھائی ہیں۔ ہمارا ملک جب ایک گھر ہے تو کیا ایک گھر میں مختلف صورتوں کے بھائی نہیں ہوتے۔ کیا ان بھائیوں میں آپسی نفرت' اور نفاق ہوتا ہے۔ وہ ایک

www.urduacademyts.com

مقصد کے لیے جیتے اور ایک مقصد کے لیے مرتے ہیں۔

عبدالقیوم : تمہارے خیالات سُن کر مجھے بڑی خوشی ہوئی۔ آؤ ترقی اور خوشحالی ہماری راہ دیکھ رہی ہے۔

(دائیں جانب کی روشنی گُل ہو جاتی ہے اور بائیں جانب والا حصّہ روشن ہو جاتا ہے۔ مِصرا اور نوازش اسی طرح آمنے سامنے بیٹھے باتیں کر رہے ہیں)

مِصرا : اور پھر ایک ہندو اور ایک مسلمان کے ملاپ نے' آپسی اتحاد نے' متحدہ جدوجہد نے کمپنی کو وہ ترقی دی' وہ کامیابی دی کہ آج تم دیکھ رہے ہو کہ میں اتنی بڑی فرم کا مینجنگ ڈائرکٹر ہوں۔ عجیب بات ہے کہ۔

نوازش : کیا بات ہے مِصرا جی؟

مِصرا : آج مجھے بھی اپنے محسن حاجی عبدالقیوم کی طرح ایک ایسے آدمی کی ضرورت ہے جو ہمارے مال کی نکاسی کر سکے اور وہ تم آسانی سے کر سکتے ہو۔ سارے گُر' ساری ترکیبیں میں تمہیں سکھا دوں گا۔ بس دوڑ دھوپ' ہر ایک سے محبت اور محنت کی ضرورت ہے۔

نوازش : (خوشی سے اُمڈ آئے ہوئے لہجے میں) مجھے منظور ہے' مجھے منظور ہے مصرا جی۔

مِصرا : سچ جانو نوازش' شاید آج میں وہی خوشی محسوس کر رہا ہوں جو کسی دن نامپلّی کے سرائے میں حاجی عبدالقیوم نے کی ہوگی۔ کس قدر عمدہ بات کہی تھی انھوں نے کہ ہم بھارت کے رہنے والے ایک گھر کے بھائیوں کی طرح ہیں۔ (پردہ آہستہ آہستہ گرتا ہے)

☆☆☆

www.urduacademyts.com

غالبؔ

مرزا اسداللہ خاں نام تھا۔ پہلے اسدؔ بعد میں غالبؔ تخلص اختیار کیا۔ ۱۷۹۷ء میں بمقام اکبرآباد (آگرہ) میں پیدا ہوئے۔ والد عبداللہ بیگ خاں سپاہی پیشہ تھے۔ ملازمت کے سلسلے میں ایک دفعہ حیدرآباد گئے جہاں نظام علی خاں آصف جاہ ثانی کی سرکار میں تین سو سوار کے جمعیت میں ملازم رہے۔ چند برس بعد الور میں راجہ بختاور سنگھ کی ملازمت اختیار کی۔ یہیں ایک گڑھی کی سرکشی میں مارے گئے۔ اس وقت اسداللہ خاں پانچ برس کے تھے۔ چچا نصراللہ بیگ خاں نے اپنی سرپرستی میں لے لیا۔ نصراللہ بیگ ایک لڑائی میں ہاتھی سے گر کر ہلاک ہو گئے۔ اس وقت غالب نو برس کے تھے۔ اب غالب ننھیال میں پرورش پانے لگے۔ روک ٹوک کرنے والا کوئی نہ تھا۔ مرزا کی تعلیم باضابطہ نہیں ہو سکی کچھ گھر پر پڑھائی ہوئی اور کچھ ابتدائی فارسی عربی آگرہ کے ایک لائق مولوی محمد معظم کے مکتب میں سیکھی۔ فارسی ادب سے ان کا لگاؤ بچپن سے تھا چنانچہ دس برس کی عمر میں فارسی میں شعر کہنے لگے۔ اپنے زمانے کے رواج کے برخلاف انہوں نے شاعری میں کسی کو اپنا استاد نہیں بنایا۔ اساتذہ کے کلام کے مطالعہ، شعری محفلوں اور علمی ادبی ذوق رکھنے والوں کی صحبتوں نے ان کے شعری ذوق کی جلا کی۔ بارہ تیرہ برس کی عمر میں میر تقی میر کو اپنا کلام بغرض اصلاح دکھایا۔ انہوں نے کہا "اگر اس لڑکے کو کوئی کامل استاد مل گیا اور اس کو سیدھے راستے پر ڈال دیا تو لاجواب شاعر بن جائے گا ورنہ مہمل بکنے لگے گا۔ مگر غالب نے کسی کو استاد نہیں بنایا بلکہ زمانہ سے سبق لیتے رہے۔

غالب تیرہ برس کے تھے کہ ان کی شادی امراؤ بیگم سے ہو گئی چونکہ کم عمری میں ان کی شادی ہو گئی تھی اس لئے انہیں مرزا نوشہ پکارا جانے لگا۔ ان کی بیوی بڑی نمازی پرہیزگار اور اللہ والی

www.urduacademyts.com

تھیں جبکہ مرزا نوشہ کو جلوۂ صدرنگ کی آرزو تھی۔ دونوں کے مزاج میں بڑا فرق تھا۔ گھریلو زندگی اسی کش مکش میں گزری جس کی ہلکی سی جھلک ان کے کلام میں نظر آتی ہے۔ غالب نے اپنے خطوط میں اس کا واضح انداز میں ذکر کیا ہے۔ ایک جگہ لکھتے ہیں۔ ''قابل میری موت ہے میں کبھی اس گرفتاری سے خوش نہیں رہا۔''

غالب اپنی شراب نوشی اور فضول خرچی کی وجہ سے ہمیشہ مقروض رہے۔ خاندان، انعامات اور وظیفے کی آس میں کلکتہ کا طویل سفر کیا لیکن سوائے زحمتِ سفر کے کچھ ہاتھ نہیں آیا۔

ایک طرف ادبی ماحول کی ناسازگاری دوسری طرف مالی دشواریوں نے غالب کو شکستہ دل کر دیا تھا۔ غالب کے دوست مولوی فضلِ حق خیر آبادی اور شاگرد مصطفٰے خاں شیفتہ نے ان کی بڑی مدد کی۔ تنگ دستی کے ساتھ غالب کی بعض عادتوں نے انہیں ہمیشہ پریشان رکھا۔ آخر عمر میں سخت بیمار ہو گئے۔ آخر کار فروری ۱۸۶۹ء میں انتقال ہو گیا۔ غالب نہ صرف بہت بڑے شاعر تھے بلکہ اُردو اور فارسی کے بہت بڑے نثر نگار بھی تھے۔ ان کی تصانیف حسب ذیل ہیں :

۱) اُردو کلام کا انتخاب: یہ ان کی زندگی ہی میں پہلی مرتبہ ۱۸۴۱ء میں شائع ہوا۔

۲) سبدِ چین : چھ ماہ کی قید کے زمانے میں بہ زبان فارسی لکھی گئی ۸۴ اشعار کی ایک طویل نظم جو ان کے کلیات میں شامل نہیں بلکہ علاحدہ شائع ہوئی۔

۳) مہر نیم روز: جولائی ۱۸۵۰ء میں مغلیہ حکومت کے آخری بادشاہ بہادر شاہ ظفر نے غالب کو مغلیہ دور کی تاریخ لکھنے کا کام سپرد کیا تھا جس کے لئے ماہانہ پچاس روپے تنخواہ مقرر کی گئی تھی اور خطاب نجم الدولہ دبیر الملک نظام جنگ بھی عطا ہوا تھا۔ یہ ایسا اعزاز تھا جو استاد ذوق کو بھی نصیب نہیں ہوا تھا۔ غالبؔ نے اس تاریخ کا پہلا حصہ مکمل کیا جس میں ابتدائے آفرینش سے لے کر بابر تک کی تاریخ شامل ہے۔ اس حصہ کا نام ''مہر نیم روز'' رکھا گیا جو اُن کی فارسی تحریر کا منفرد نمونہ ہے۔

۴) دستنبو : یہ فارسی میں غالب کا روزنامچہ ہے جس میں انہوں نے غدر کے چار مہینوں

www.urduacademyts.com

کے واقعات لکھے ہیں۔

۵) قاطع برہان : برہان قاطع کے جواب میں لکھی گئی ہے۔ جب غالب نے برہان قاطع کا مطالعہ کیا تو لغت نویسی کے اُصولوں سے اس میں کئی کمزوریاں نظر آئیں اور الفاظ کے معنوں میں فرق محسوس ہوا۔ غالب نے اس فارسی لغت پر اپنے اعتراضات یک جا کر کے قاطع برہان کے نام سے ۱۸۶۳ء میں اسے شائع کر دیا۔

۶) درفش کاویانی : قاطع برہان کا دوسرا ایڈیشن جو درفش کاویانی کے نام سے شائع ہوا۔

۷) عودِ ہندی : ۱۸۶۷ء میں غالب کے خطوط کا پہلا مجموعہ طبع ہوا۔

۸) اُردوئے معلّٰی : یہ غالب کے اُردو خطوط کا دوسرا مجموعہ ہے۔

خطوط کا یہ دوسرا مجموعہ ۱۸۶۹ء میں اہتمام کے ساتھ شائع ہوا۔ غالبؔ کے ان خطوط کی ادب میں بڑی اہمیت ہے۔ ان خطوط سے نہ صرف مکاتب نگاری میں تبدیلیاں آئیں بلکہ اُردو نثر کو بھی نئی سمت وراہ ملی۔

ان کے علاوہ غالب کے اُردو اور فارسی کلام کے دیوان بھی شائع ہو چکے ہیں۔

غالب کا فارسی ادب کا مطالعہ بہت وسیع تھا۔ ابتدا میں عرفیؔ، نظیریؔ اور ظہوریؔ سے غیر معمولی طور پر متاثر تھے یہی وجہ ہے کہ ان کے ابتدائی اُردو کلام میں فارسیت کا غلبہ زیادہ نظر آتا ہے لیکن جب ہر طرف سے ان کے مشکل اسلوب پر اعتراضات ہونے لگے اور ''آسان کہنے کی فرمائش'' ہونے لگی تو انہوں نے سادگی اور سلاست کو اپنایا۔ اس طرز سخن میں بھی وہ غالب ہی رہے۔ زبان کا استعمال اور الفاظ کا انتخاب ان کے طرز فکر، فلسفہ، تصوف اور بلند خیالی سے کچھ ایسا ہم آہنگ ہے کہ اسی میں غالب کی انفرادیت نظر آتی ہے۔ غالب کی زندگی بڑی مشکلوں میں گزری لیکن ظرافت ان کی گھٹی میں پڑی تھی وہ اپنے دوستوں، شاگردوں، مولویوں، واعظوں، فرشتوں اور اللہ سے بھی مذاق اور شوخی کر گزرتے تھے۔ ان کے کلام کا ایک اہم عنصر ان کی ظرافت ہے۔

www.urduacademyts.com

غالب نہ صرف بڑے شاعر تھے بلکہ بڑے نثر نگار بھی تھے۔ان کے خطوط جوانہوں نے اپنے شاگردوں اور دوستوں کو لکھے ہیں۔اُردو ادب میں بڑی اہمیت رکھتے ہیں۔انہوں نے اپنے خطوں کے ذریعے سے اُردو نثر کو سادگی اور سلاست کی راہ دکھائی۔خطوط کے روایتی سانچے کو بدل کر اسے ''مراسلہ'' سے ''مکالمہ'' بنادیا۔غالب کے یہ مکاتیب اس عہد کے تہذیبی سماجی اور سیاسی حالات کی بھی نشان دہی کرتے ہیں۔

غالب ایک اچھے انسان بھی تھے خود قرض میں مبتلا تھے لیکن ضرورت مند کو اپنے در سے کبھی خالی ہاتھ جانے نہیں دیتے تھے۔اپنے دوستوں کی خوشی سے خوش اور ان کے غم سے رنجیدہ ہوتے تھے۔وہ لوگوں کی اس طرح مدد کرتے کہ انہیں پتہ بھی نہ چلے۔وہ بڑے خوددار اور وضع دار آدمی تھے۔ان کی وضع داری دم آخر تک باقی رہی۔

☆☆☆

www.urduacademyts.com

غالب کے چند منتخب خطوط

بنام میر سرفراز حسین صاحب

نورِ چشم راحت جان میر سرفراز حسین جیتے رہو اور خوش رہو تمہارے دستخطی خط نے میرے ساتھ وہ کیا جو بوئے پیرہن نے یعقوب کے ساتھ کیا تھا۔ میاں یہ ہم تم بوڑھے ہیں یا جوان ہیں۔ توانا ہیں یا ناتواں ہیں۔ بڑے بیش قیمت ہیں۔ یعنی بہر حال غنیمت ہے کوئی جلا بھنا کہتا ہے۔

یادگارِ زمانہ ہیں ہم لوگ

یاد رکھنا فسانہ ہیں ہم لوگ

وہی بالا خانہ ہے اور وہی میں ہوں۔ سیڑھیوں پر نظر ہے کہ وہ میر مہدی آئے وہ میر سرفراز حسین آئے وہ یوسف مرزا آئے۔ وہ میرن آئے۔ وہ یوسف علی خاں۔ آئے۔ مرے ہوؤں کا نام نہیں لیتا بچھڑے ہوؤں میں سے کچھ گنے نہیں۔ اللہ اللہ ہزاروں کا میں ماتم دار ہوا..... میں مروں گا تو مجھ کو کون روئے گا۔ سنو غالب رونا پیٹنا کیا کچھ اختلاط کی باتیں کرو کہو میر سرفراز حسین سے کہ یہ خط میر مہدی کو پڑھواؤ اور میرن صاحب کو بلاؤ۔ کل شام کو یا پرسوں شام کو میرا شرف علی صاحب میرے پاس آئے تھے کہتے تھے کہ کل یا پرسوں پانی پت کو جاؤں گا۔ میں نے ان کی زبانی کچھ پیام میرن صاحب کو بھیجا ہے اگر بھول نہ جائیں گے پہنچائیں گے۔ خلاصہ اس کا یہ ہے کہ صاحب ابّن نہیں ہے نہ ہو۔ غلام اشرف نہیں ہے نہ ہو اگر منظور کیجئے تو میں صوفی ہوں ہمہ

www.urduacademyts.com

اوست کا دم بھرتا ہوں بموجب مصرع کے ۔

دل بدست آور کہ حج اکبر ست

تم سے کب انکار کرتا ہوں اگر مرزا گوہر کی جگہ مانو تو خوش۔ اگر غلام اشرف جانو تو راضی رات کو اپنے گھر میں باتیں بناؤ۔ دن کو مجھ سے جی بہلاؤ قصہ مختصر آؤ اور جلد آؤ۔ سید انور کا جو حال لکھتے ہو وہ سچ ہے۔ راج پوت ایسا ہی کچھ کرتے ہیں۔ مگر مہاراجہ مسلمانوں کا دم بھرتے ہیں۔ کچھ دن جاتے ہیں کہ یہ لوگ پھر وہاں آتے ہیں۔ کیا مجمع برہم ہوا ہے۔ مجھ کو کیسا غم ہوا ہے۔ تم اس جرگے سے جدا ہو۔ تم کو اندیشہ کیا ہے۔ میر قربان علی صاحب جیسا لکھیں ویسا کرو۔ میر مہدی صاحب سارا خط پڑھ کر کہیں گے مجھ کو دعا بھی نہ لکھی۔ بھائی میری دعا پہنچے۔ میر نصیر الدین ایک دن میرے ہاں آئے تھے۔ اب میں نہیں جانتا یہاں ہیں یا وہاں۔ ہوں تو دعا کہنا۔ میرن صاحب کے نام تو اتنا پیام ہے دعا سلام کی حاجت کیا۔ دیکھو ہم اپنا نام نہیں لکھتے بھلا دیکھیں تو سہی تم جان جاتے ہو کہ یہ خط کس کا ہے۔

☆

بنام میر مہدی حسین صاحب مجروح

بھائی نہ کاغذ ہے نہ ٹکٹ ہے اگلے لفافوں میں سے ایک بیرنگ لفافہ پڑا ہے۔ کتاب میں سے یہ کاغذ پھاڑ کر تم کو خط لکھتا ہوں اور بیرنگ لفافے میں لپیٹ کر بھیجتا ہوں غمگین نہ ہونا۔ کل شام کو کچھ فتوح کہیں سے پہنچ گئی ہے۔ آج کاغذ و ٹکٹ منگالوں گا۔ سہ شنبہ ۸/نومبر صبح کا وقت ہے جس کو عوام بڑی فجر کہتے ہیں پرسوں تمہارا خط آیا تھا۔ آج جی چاہا کہ ابھی تم کو خط لکھوں اس واسطے یہ چند سطریں لکھیں۔ برخوردار میر نصیر الدین پر ان کی بیٹی کا قدم مبارک ہو۔ نام تاریخی تو مجھ سے ڈھونڈا نہ

www.urduacademyts.com

جائے گا۔ہاں عظیم النساء بیگم اچھا نام ہے کہ اس میں ایک رعایت ہے۔شاہ محمد عظیم صاحب رحمتہ اللہ علیہ کے نام کی مجتہد العصر کو میری دعا کہنا۔ تم کو کیا ہوا ہے کہ تم ان کو اپنا چھوٹا بھائی جان کر مجتہد العصر نہیں لکھا کرتے۔ یہ بے ادبی اچھی نہیں۔ میرن صاحب کو بہت بہت دعا کہنا اور میری طرف سے پیار کرنا۔شہر کا حال میں کیا جانوں کیا ہے پون ٹوٹی کوئی چیز ہے۔وہ جاری ہوگئی ہے۔سوائے اناج اور اُپلے کے کوئی چیز ایسی نہیں جس پر محصول نہ لگا ہو۔جامع مسجد کے گرد پچیس پچیس فٹ گول میدان نکلے گا۔دُکانیں حویلیاں ڈھائی جاویں گی۔دارالبقا فنا ہو جائے گی۔رہے نام اللہ کا۔خان چند کا کوچہ شاہ بولا کے بڑھ تک ڈھئے گا۔دونوں طرف سے پھاوڑہ چل رہا ہے۔باقی خیر و عافیت ہے۔حاکم اکبر کی آمد آمد سن رہے ہیں۔دیکھئے دلی آئیں یا نہیں۔آئیں تو دربار کریں یا نہیں۔دربار کریں تو میں گنہ گار بلایا جاؤں یا نہیں۔بلایا جاؤں تو خلعت پاؤں یا نہیں۔پنشن کا نہ کہیں ذکر ہے نہ کسی کو خبر ہے۔

غالب سہ شنبہ ۸ر نومبر ۱۸۵۹ء

☆

بنام میر مہدی حسین صاحب مجروح

میاں لڑکے کہاں پھر رہے ہو۔ادھر آؤ خبریں سنو۔دربار لارڈ صاحب کا میرٹھ میں ہوا دلی کے علاقہ کے جاگیردار بموجبِ حکمِ کمشنر دہلی میرٹھ گئے۔موافق دستور قدیم مل آئے۔غرض کہ پنجشنبہ ۲۹ر دسمبر کو پہر دن چڑھے لارڈ صاحب یہاں پہنچے۔کابلی دروازہ کی فصیل کے تلے ڈیرے ہوئے۔اُسی وقت توپوں کی آواز سنتے ہی میں سوار ہو کر گیا۔میر منشی سے ملا ان کے خیمہ میں بیٹھ کر صاحب سکریٹری کو خبر کروائی جواب آیا کہ فرصت نہیں۔یہ جواب سن کر نومیدی کی پوٹ باندھ کر لے آیا۔ہر چند پنشن کے باب میں لاونعم نہیں مگر کچھ فکر کر رہا ہوں۔دیکھوں کیا ہوتا ہے۔لارڈ صاحب کل یا پرسوں جانے والے

www.urduacademyts.com

ہیں۔ یہاں کچھ کلام و پیام نہیں ممکن۔ تحریر ڈاک میں بھیجی جائے گی۔ دیکھئے کیا صورت درپیش آئے گی۔ مسلمانوں کے املاک کے واگزاشت کا حکم عام ہو گیا ہے۔ جن کو کرایہ پر ملی ہے اُن کو کرایہ معاف ہو گیا ہے۔ آج یکشنبہ یکم جنوری ۱۸۶۰ء ہے۔ پہر دن چڑھا ہے کہ یہ خط تم کو لکھا ہے اگر مناسب جانو تو آؤ۔ اپنی املاک پر قبضہ پاؤ۔ چاہو یہیں رہو چاہو پھر چلے جاؤ۔ میر سرفراز حسین۔ میر نصیر الدین۔ میرن صاحب کو میری دعائیں کہنا اور حکیم میر اشرف علی کو بعد دعا کے یہ کہہ دینا کہ وہ جو تم نے مجھ کو دی تھی ان کا نسخہ جلد لکھ کر بھیج دو۔ واللہ موجود، ماسوا معدوم۔ اپنی مرگ کا طالب غالب۔

☆

بنام میر مہدی حسین مجروح

برخوردار تمہارا خط آیا حال معلوم ہوا۔ میں اس خیال میں تھا کہ الور کا کچھ حال معلوم کرلوں اور کپتان الکوونڈر کا خط آئے اور میں اس کو میر سرفراز حسین کے مقدمہ میں لکھ لوں تو اس وقت تمہارے خط کا جواب لکھوں چونکہ آج تک ان کا خط نہ آیا۔ میں نے سوچا کہ اگر اسی انتظار میں رہوں گا اور خط کا جواب نہ بھیجوں گا تو میرا پیارا میر مہدی خفا ہوگا۔ ناچار جو کچھ الور کا حال سنا ہے وہ اور کچھ اپنا حال لکھتا ہوں۔ ہر چند میں نے دریافت کرنا چاہا حکیم محمود علی کا وہاں پہنچنا اور یہ کہ وہاں پہنچنے کے بعد کیا طور قرار پایا کچھ معلوم نہیں ہوا۔ صرف خبر واحد ہے کہ ان کو راؤ راجہ نے صاحب ایجنٹ سے اجازت لے کر بلا لیا ہے۔ لکھتے ہیں کہ صاحب ایجنٹ الور نے راجہ کے بالغ اور عاقل ہونے کی رپورٹ صدر کو بھیجی ہے۔ کیا عجیب ہے کہ ان کا راج ان کو مل جائے۔ مولانا غالب علیہ الرحمۃ ان دنوں میں بہت خوش ہیں۔ پچاس ساٹھ جزو کی کتاب امیر حمزہ کے داستان کی اور اسی قدر حجم کی ایک جلد بوستان خیال کی آ گئی ہے۔ سترہ بوتلیں بادہ ناب کی توشہ خانہ میں موجود ہیں۔ دن

www.urduacademyts.com

بھر کتاب دیکھا کرتے ہیں رات بھر شراب پیا کرتے ہیں۔

کسے کیں مرادش میسر بود

اگر جم نباشد سکندر بود

میر سرفراز حسین کو اور میرن صاحب کو اور میر نصیر الدین صاحب کو دعائیں اور دیدار کی آرزوئیں۔

☆

اہاہاہا میرا پیارا میر مہدی آیا آؤ بھائی مزاج تو اچھا ہے۔ بیٹھو یہ رامپور ہے۔ دارالسرور ہے۔ جو لطف یہاں ہے وہ اور کہاں ہے۔ پانی سبحان اللہ شہر سے تین سو قدم پر ایک دریا ہے اور کوسی اس کا نام ہے۔ بے شبہ چشمہ آب حیات کی کوئی سوت اس میں ملی ہے۔ خیر اگر یوں بھی ہے تو بھائی آب حیات عمر بڑھاتا ہے لیکن اتنا شیریں کہاں ہوگا۔ تمہارا خط پہنچا تردد عبث۔ میرا مکان ڈاک گھر کے قریب اور ڈاک منشی میرا دوست نہ عرف لکھنے کی حاجت نہ محلے کی حاجت۔ بے وسواس خط بھیج دیا کیجئے۔ اور جواب لیا کیجئے۔ یہاں کا حال سب طرح خوب ہے اور صحبت مرغوب ہے اس وقت مہمان ہوں۔ دیکھوں کیا ہوتا ہے۔ تعظیم و توقیر میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں ہے۔ لڑکے دونوں میرے ساتھ آئے ہیں۔ اس وقت اس سے زیادہ نہیں لکھ سکتا۔

☆

برخوردار نور چشم میر مہدی کو بعد دعائے حیات و صحت کے معلوم ہو۔ بھائی تم نے بخار کو کیوں آنے دیا تپ کو کیوں چڑھنے دیا۔ کیا بخار میرن صاحب کی صورت میں آیا تھا جو تم مانع نہ آئے۔ تپ ابّن بن کر آئی تھی جو اس کو روکتے ہوئے شرمائے۔ حکیم اشرف علی بھی آگئے ہیں کہتے تھے کہ میں نے نسخہ لکھ کر آج ڈاک میں بھیج دیا ہے چونکہ یہ خط بھی آج روانہ ہوتا ہے کیا عجب ہے کہ دونوں خط ایک دن بلکہ ایک وقت پہنچیں۔ دل تمہارے واسطے بہت کڑھتا ہے۔ حق تعالیٰ تم کو جلد

www.urduacademyts.com

شفا دے اور تمہاری تندرستی کی خبر مجھ کو سنائے۔ سنو میاں سرفراز حسین ہزار برس میں تم نے مجھ کو ایک خط لکھا وہ بھی اس طرح کہ جیسا جلال امیر کہتا ہے ؎

بغیر در شکر آبست رو بما دارد

پڑھتا ہوں اس خط کو اور ڈھونڈھتا ہوں کے میرے واسطے کونسی بات ہے مجھ کو کیا پیام ہے کچھ نہیں شاید دوسرے صفحہ میں کچھ ہو اُدھر خاتمہ بالخیر ہے۔ یارب سرنامہ میرے نام کا آغاز تحریر میں القاب میرا۔ پھر سارے خط میں میرن صاحب کا جھگڑا۔ یہ کیا سیر ہے۔ میں ایسے خط کا جواب کیوں لکھوں میری بلا لکھے۔ اب جو تم خط لکھو گے اور اس میں اپنے بھائی کی خیر و عافیت رقم کرو گے اور میرن صاحب کا نام اور ان کے لئے سلام تک بھی اس میں نہ ہوگا تو میں اس کا جواب آنکھوں سے لکھوں گا۔ اور ہاں میاں تم نے میر اشرف علی کو کیا لکھا کہ ہم نے سنا ہے کہ چچا نے اس کا مرنا سنا ہوگا۔ اس غریب کا قول ہے کہ میری دونوں بہنیں اور پانچ بھانجیاں پانی پت میں ہیں کیا چچا کو نہ معلوم ہوگا کہ کونسی لڑکی مری۔ کاش اس کے باپ کا نام لکھتے تا کہ جانتا کہ کونسی بھانجی مری ہے۔ اب میں کس کا نام لے کر روؤں اور کس کی فاتحہ دلواؤں۔ اس امر میں حق بجانب اس مظلوم کے ہے توضیح بقیدِ نام لکھو۔

☆☆☆

بھائی ایک خط تمہارا پہلے پہنچا اور ایک خط کل آیا پہلے خط میں کوئی امر جواب طلب نہ تھا اگرچہ کل کے خط میں بھی صرف کتابوں کی رسید تھی لیکن چونکہ دو امر لکھنے کے لائق تھے۔ اس واسطے ایک لفافہ تمہاری پسند کا تمہاری نذر کرنا پڑا۔ پہلا امر یہ کہ آج میر نصیر الدین دوپہر کو میرے پاس آئے تھے ان کو دیکھ کر دل خوش ہوا۔ تم نے بھی خط میں لکھا تھا کہ میر سرفراز حسین الور گئے تھے اور میر نصیر الدین بھی کہتے تھے کہ میں اور وہ ایک دن پانی پت سے چلے وہ اُدھر گئے میں ادھر آیا۔ ظاہرا پارسل

www.urduacademyts.com

کے پہنچنے سے پہلے وہ روانہ ہوئے ہیں ان کی کتاب رہ گئی۔ اب ان تک کیونکر پہنچے گی۔ خدا خیر کرے میاں لڑکے سنو میاں نصیرالدین اولاد میں سے ہیں۔ شاہ محمد اعظم صاحب کے وہ خلیفہ تھے۔ مولوی فخرالدین صاحب کے اور میں مرید ہوں اس خاندان کا اس واسطے میر نصیرالدین کو پہلے بندگی لکھتا ہوں اور پھر تمہارے علاقہ سے دعا۔ صوفی صافی ہوں اور حضرات صوفیہ حفظ مراتب ملحوظ رکھتے ہیں۔

"گر حفظ مراتب نہ کنی زندیقی"

یہ جواب ہے تمہارے اس سوال کا کہ جو پہلے خط میں تم نے لکھا تھا۔ اب کے خط میں تم نے میرن صاحب کی خیر و عافیت کیوں نہ لکھی۔ یہ بات اچھی نہیں میں تو ڈر گیا کہ اگر تمہارے خط میں ان کو دعا و سلام لکھوں گا تو ان سے تم کا ہے کو کہو گے پیرزادہ صاحب یعنی میر نصیرالدین نے ان کی بندگی مجھ سے کہی ہے۔ خدا کے واسطے میری دعا ان سے کہہ دینا۔

☆☆☆

www.urduacademyts.com

سرسید

سرسید کی ولادت دہلی میں ۱۸۱۷ء میں ہوئی۔ان کے آباواجداد شاہجہاں کے وقت میں وامغان ہمہ دان اور ہرات ہوتے ہوئے ہندوستان آئے۔اسی وقت سے شاہی دربار میں رسائی ہوئی جس کا سلسلہ عالمگیر ثانی کے وقت تک قائم رہا جنہوں نے سرسید کے دادا کو جوادالدولہ کا خطاب بھی دیا۔اکبرشاہ ثانی نے سرسید کے والد میر متقی کو عہدۂ وزارت کے لئے نامزد کیا مگر انہوں نے اپنی قناعت پسندی کی وجہ سے انکار کردیا۔

سرسید کی تعلیم وتربیت ان کی والدہ کے زیر سرپرستی ہوئی۔ ۱۸۳۷ء میں سرسید نے ملازمت کرلی اور رفتہ رفتہ ترقی کر کے صدرامین کے درجہ تک پہونچ گئے۔

علم کا ذوق تھا کہ کتابوں کا مطالعہ ہمیشہ کرتے رہے، چنانچہ ملازمت ہی کے دوران میں اپنی مشہور کتاب ''آثارالصنادید'' تصنیف کی،اس کے علاوہ اور بھی کتابیں ملازمت کے زمانہ میں لکھیں۔۱۸۶۲ء میں جب غازی پور تبادلہ ہوا تو وہاں ایک سائنٹفک سوسائٹی قائم کی جس کا مقصد یہ تھا کہ مسلمان مغرب کی ترقی اور خیالات سے آگاہ ہوتے رہیں۔اس سوسائٹی میں متعدد رسالے مختلف موضوع پر نکالے گئے جس میں زراعت اور اقتصادیات بھی شامل ہیں۔

۱۸۶۱ء میں ایک انگریزی اسکول مرادآباد میں اور ۱۸۶۴ء میں دوسرا اسکول غازی پور میں کھولا۔ایک انجمن انہوں نے قائم کی جس کا نام برٹش انڈیا اسوسی ایشن تھا۔

ان کو مسلمانوں کی اصلاح کا خیال شروع سے تھا چنانچہ ۱۸۹۶ء میں انگلستان جا کر وہاں کے لوگوں کے اخلاق اور طرز معاشرت کا مطالعہ اس لئے کیا کہ ہندوستان چل کر یہاں کی عمدہ باتوں کو مسلمانوں میں رائج کیا جائے۔سال بھر کے بعد ہندوستان واپس آئے اور یہاں آکر منصوبے کی تکمیل کے لئے رسالہ ''تہذیب الاخلاق'' جاری کیا جس میں مذہبی اور اخلاقی مضامین

www.urduacademyts.com

ہوتے تھے، منشا یہ تھا کہ مسلمانوں کے خیالات میں وسعت اور ترقی پیدا ہو۔

سرسید کا سب سے بڑا کارنامہ علی گڑھ کالج ہے، پنشن لینے کے بعد انہوں نے اس کالج کی ترقی کے لئے کام کیا۔ ۱۸۷۷ء کے شروع میں کالج کا سنگ بنیاد لارڈ لیٹن نے رکھا، اس وقت سے سرسید نے مرتے دم تک جس جانکاہی اور دوراندیشی سے اس کالج کی ترقی کی فکر کی وہ آپ اپنی مثال ہے، ۱۸۹۸ء میں سرسید نے طویل عمر پا کر انتقال کیا اور اپنے محبوب کالج کی مسجد میں دفن کئے گئے۔

قوم اور ملک کے ساتھ جو کچھ سرسید نے احسان کیا وہ سب ہی تسلیم کرتے ہیں۔ مسلمانوں کی ترقی کے لئے ان کو یہ خیال ہوا کہ جب تک ان کی مادری زبان کی ترقی نہ ہوگی، قومی ترقی بھی مشکل سے ہوگی۔ لہٰذا انہوں نے اس کی بھی اصلاح کی فکر کی، سرسید سے پہلے رنگین مقفّٰی اور مسجع عبارت پسندِ عام تھی، جس میں خیالات کا اظہار آسانی سے نہیں ہوسکتا تھا، بیشک مرزا غالبؔ نے خطوط میں سلاست اور سادگی اختیار کی لیکن کوئی علمی کارنامہ مشکل سے اس انداز بیان کے ساتھ لکھا گیا ہوگا، غالباً سرسید پہلے شخص ہیں جنہوں نے اُردو نثر میں مضامین کو سادگی ومتانت کے ساتھ لکھنا شروع کیا۔

سرسید کی عبارت عام طور سے تشبیہات واستعارات وصنائع وبدائع سے پاک ہے، جو بات لکھتے ہیں اُسے دلیل سے مضبوط کرنے کی پوری کوشش کرتے ہیں اور مشکل سے مشکل مضمون کو نہایت آسانی کے ساتھ ادا کر جاتے ہیں، ان کی تحریر میں سچائی اور بے باکی خاص جوہر ہیں، الفاظ نہایت سیدھے سادے اور روزمرہ کے استعمال کرتے ہیں، کہیں کہیں بذلہ سنجی اور شگفتگی بھی پائی جاتی ہے، منظر اور موقع کی تصویر الفاظ سے نہایت خوبی کے ساتھ کھینچتے ہیں، اتنا ضرور ہے کہ عبارت کبھی کبھی بے لطف وناہموار ہوجاتی ہے وہ اپنے جوشِ اصلاح اور اظہارِ خیال میں اتنے آزاد تھے کہ قواعد کی پابندی اپنے لئے زیادہ ضروری نہیں سمجھتے تھے جو لفظ ان کا مفہوم پورا کرتا ہوا دکھائی دیتا تھا

www.urduacademyts.com

اُس کو فوراً استعمال کر جاتے تھے۔

کہیں کہیں محاورے ثقیل بھی آجاتے ہیں لیکن جب یہ خیال کیا جاتا ہے کہ پہلا قدم اصلاح کے لئے اُٹھتا ہے تو کتنی دشواریوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے تب ایسی خامیاں بھی بے وقعت نظر آتی ہیں۔

یوں تو سرسید کی تصانیف کئی ایک ہیں مثلاً ''خطبات احمدیہ'' ''آثار الصنادید'' ''تاریخ سرکشی بجنور'' وغیرہ لیکن سب سے زیادہ اثر اُردو پر ان کے رسالہ تہذیب الاخلاق کا پڑا جب مذہبی چھیڑ چھاڑ اس رسالہ میں شروع ہوئی تو جواب دینے والوں نے خوش قسمتی سے وہی طرز بیان اختیار کرنے کی کوشش کی جو خود سرسید کا تھا اور چونکہ یہ سلسلہ عرصہ تک قائم رہا لہذا ایک اچھا ذخیرہ سلیس اور عام فہم اُردو زبان کا تیار ہو گیا، رفتہ رفتہ لوگ اسی رنگ میں لکھنے کے عادی ہو گئے، چنانچہ اس وقت سے ہر انشا پرداز نے یہی روش اختیار کر لی۔

☆☆☆

www.urduacademyts.com

والدۂ سرسیّد

عزیز النساء بیگم نہایت لائق، ذہین عالی دماغ تھیں۔ وہ صرف قرآن مجید پڑھی ہوئی تھیں اور کسی زمانے میں فارسی کی بھی کچھ ابتدائی کتابیں پڑھی تھیں۔ میں نے خود گلستان کے چند سبق ان سے پڑھے ہیں اور اکثر ابتدائی فارسی کتابوں کے سبق ان کو سنائے ہیں۔ مجھ کو خوب یاد ہے کہ جب میں ان کو سبق سناتا یا نئے سبق کا مطالعہ ان کے پاس بیٹھ کر کرتا تو وہ سوت کی گوندھی ہوئی تین لڑیں ایک لکڑی میں بندھی ہوئی میری تنبیہ کو اپنے پاس رکھ لیتی تھیں۔ اگرچہ وہ خفا تو کئی دفعہ ہوئی ہوں گی، مگر ان سوت کی لڑوں سے مجھے کبھی مار نہیں پڑی۔

اُن کی تعلیم اور اُن کی نصیحتیں نہایت ہی حکیمانہ اور دل پر اثر کرنے والی تھیں۔ مجھ کو یاد ہے کہ ایک شخص نے جس کے ساتھ میں نے نیکی کی تھی میرے ساتھ نہایت بدی کی۔ اور تمام وجہ ثبوت جس سے اُس کو فوجداری عدالت سے کافی سزا مل سکتی تھی۔ میرے ہاتھ آ گئی۔ میرے نفس نے مجھ کو بہکایا اور انتقام لینے پر آمادہ کیا۔ میری والدہ نے یہ خبر سن کر مجھ سے کہا کہ اگر تم اس کو معاف کرو تو اس سے عمدہ کوئی کام نہیں ہے۔ اگر تم کو اُس کی بدی کی حاکم سے سزا دلوانی ہے تو نہایت نادانی ہے کہ اس قوی اور زبردست احکم الحاکمین کے چنگل سے جو ہر ایک کے اعمال کی سزا دینے والا ہے۔ اپنے دشمن کو چھڑا کر ضعیف و ناتواں دنیا کے حاکموں کے ہاتھ ڈالنا چاہو۔ پس اگر دشمنی اور انتقام ہی منظور ہے تو قوی حاکم کے ہاتھ میں اس کو رہنے دو۔ اس نصیحت کا میرے دل پر ایسا اثر ہے کہ کبھی دور نہیں ہوا۔ اور نہ ہوگا اور جیسے میرے دل میں کسی شخص سے گو اُس نے میرے ساتھ کیسی ہی دشمنی کی ہو انتقام لینے کا خیال تک نہیں آیا بلکہ اُن کی نصیحت پر غور کرنے سے میرے دل میں یہ بات پیدا ہو گئی ہے کہ اب میں یہ بھی نہیں چاہتا کہ آخرت میں خدا بھی اُس سے میرا بدلہ لے۔

جس زمانہ میں میری عمر گیارہ بارہ برس کی تھی میں نے ایک نوکر کو جو بہت پُرانا اور بوڑھا

www.urduacademyts.com

تھا کسی بات پر تھپڑ مارا۔ جس وقت میری والدہ کو خبر ہوئی اور تھوڑی دیر کے بعد میں گھر میں گیا تو میری والدہ نے ناراض ہو کر کہا اس کو گھر سے نکال دو جہاں اس کا دل چاہے چلا جاوے۔ یہ گھر میں رہنے کے لائق نہیں رہا۔ چنانچہ ایک ماما میرا ہاتھ پکڑ کر گھر سے باہر لے گئی اور باہر سڑک پر چھوڑ دیا۔ اُسی وقت ایک ماما دوسرے گھر سے یعنی میری خالہ کے گھر سے جو قریب تھا، نکلی اور مجھ کو میری خالہ کے گھر میں لے گئی۔ میری خالہ نے کہا کہ ''دیکھو تمہاری والدہ تم سے کس قدر ناراض اور غصہ ہیں اور اس سبب سے جو تم کو گھر میں رکھے گا اُس سے بھی خفا ہوں گی۔ مگر میں تم کو چھپا رکھتی ہوں۔'' اور کوٹھے پر کے ایک مکان میں مجھ کو چھپا دیا۔ تین دن تک میں اس کوٹھے پر چھپا رہا۔ میری خالہ میرے سامنے نوکروں اور میری بہنوں کو کہتی تھیں کہ ''دیکھنا آپا جی یعنی میری والدہ کو خبر نہ ہو کہ یہاں چھپے ہوئے ہیں۔'' تین دن کے بعد میری خالہ جن کو میں آپا جان کہا کرتا تھا' میری والدہ کے پاس قصور معاف کرانے کے واسطے لے گئیں۔ انہوں نے کہا کہ اگر اُس نوکر سے قصور معاف کرائے تو میں معاف کر دوں گی۔ وہ نوکر ڈیوڑھی پر بُلایا گیا۔ میں نے اُس کے آگے ہاتھ جوڑے جب تقصیر معاف ہوئی۔ بلاشبہ ایک اچھی ماں ہزار اُستادوں سے بہتر ہے۔

اُن کی خاص عادتوں میں سے ایک یہ امر تھا کہ لاوارث بڑھیا عورتوں کی ہمیشہ خبر گیری کرتی تھیں۔ زنانہ مکان کے باہر بطور جلو خانہ کے ایک میدان تھا اور اس کے ایک طرف متعدد کوٹھریاں اور ایک درے ملازموں کے رہنے کے لیے بنے ہوئے تھے۔ غریب اور لاوارث بڑھیا عورتوں کو اُس میں رکھتی تھیں۔ منجملہ ان کے ایک لاوارث بڑھیا مسماۃ زیبا تھی۔ اتفاق سے ایک زمانہ میں میری والدہ بھی بیمار ہوئیں اور زیبا بھی بیمار ہوئی۔ بیماری بھی قریب قریب ایک ہی تھی جو دوا اُن کے لیے تیار ہوتی تھی اُسی میں سے زیبا کو پلاتی تھیں۔ دونوں کو صحت ہو گئی۔ مگر حکیم معالج نے میری والدہ کے لیے ایک نسخہ معجون کا جو قیمتی تھا تجویز کیا۔ جس قدر تیار ہوا وہ مقدار میں ایک ہی

www.urduacademyts.com

شخص کے لیے چند روز تک کھانے کے لائق تھا میں اُس زمانہ میں دلی میں منصف تھا۔ میں اُس معجون کو تیار کر کے لے گیا اور کہا کہ یہ اتنے دنوں کی خوراک ہے اس کو استعمال فرمائیے۔ اُنہوں نے اُس کو لے لیا اور اس خیال سے کہ وہ معجون زیباؔ کے لیے بھی ایسی مفید ہوگی جیسی کہ مجھ کو اور اُن کو یقین نہ تھا کہ زیباؔ کے لیے بھی ایسی معجون تیار کر دی جاوے گی۔ اس لیے خود اُنہوں نے اُس معجون کو نہیں کھایا اور خفیہ خفیہ زیباؔ کو کھلایا اور اُس معجون سے زیباؔ کی صحت میں بہت ترقی ہوئی اُسی کے ساتھ اُن کی صحت میں بھی زیادہ ترقی ہوگئی۔ چند روز بعد میں نے اُن سے کہا کہ اُس معجون نے آپ کو بہت فائدہ کیا۔ وہ ہنسیں اور کہا ''تمہارے نزدیک بغیر دوا کے خدا صحت نہیں دیتا۔'' میں متعجب ہوا۔ اُس وقت معلوم ہوا کہ وہ معجون اُن کے عوض زیباؔ نے کھائی اور خدا نے دونوں کو صحت عطا کی۔ ایک کو بحیلہ دوا کے اور ایک کو محض اپنے فضل و کرم سے۔

اُن کا دستور تھا کہ جو کچھ گھر میں آتا، روپیہ پیسہ، گانوں کا یا ملکوں کا غلہ، مکانوں کا کرایہ، تنخواہ قلعہ کی، باغوں کا میوہ سب میں سے بحساب پانچ فیصدی کے خدا کے نام پر علحدہ کر دیتی تھیں۔ اپنی بہنوں اور بھانجیوں پر بھی تاکید تھی کہ اسی طرح پانچ فیصدی کے حساب سے خدا کی راہ پر دیا کریں اور جس قدر روپیہ اس طرح پر جمع ہوتا اُس کو نہایت عمدگی اور خوبی اور ایک انتظام سے خیرات میں صرف کرتیں۔

اس طرح پر ان کے پاس ایک معقول سرمایہ جمع ہو جاتا تھا اور اُس میں سے غریب پردہ نشین عورتوں کو جو معاش سے تنگ ہوتیں امداد کرتیں۔ غریب عورتوں کی جوان لڑکیوں کے نکاح کو دیتی تھیں اور اس طرح پر بہت سی جوان لڑکیوں کا ان کی امداد سے نکاح ہوا ہے۔ نوکری پیشہ یا غریب اور مفلس خاندانوں کی جوان لڑکیاں جو بیوہ ہو جاتیں تھیں اُن کا دوسرا عقد کر دینے کی نصیحت کرتیں۔ اور اُن کے نکاح کر دینے کو روپیے سے امداد کرتیں۔ وہ عموماً لوگوں کو سمجھاتیں کہ نکاح ثانی نہ کرنا دوسری چیز ہے، مگر

www.urduacademyts.com

نکاح ثانی کو معیوب سمجھنا یا جس نے نکاح ثانی کیا ہے اُس کو حقیر و ذلیل سمجھنا گناہ ہے۔

غریب رشتہ داروں کے گھر میں جاتیں اور خفیہ طور پر کسی حیلہ سے ان کی امداد کرتیں۔

بعض رشتہ دار ایسے بھی تھے کہ اُنہوں نے ایسی عورتوں سے شادی کر لی تھی جن سے ملنا معیوب سمجھتے تھے مگر اُن کا قول تھا کہ خدا کے حکم سے صلۂ رحم سب پر مقدم ہے۔ وہ خود اُن کے گھر جاتیں اور اُن کی اولاد کے ساتھ شفقت سے پیش آتیں اور اُن کے ساتھ سلوک کرتیں۔

☆☆☆

کتب خانہ جامعہ عثمانیہ
UNIVERSITY LIBRARY